ماہنامہ

FEB. MAR.

اِن شاء اللہ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

کا

پانچواں اجلاسِ عام

اواخر اکتوبر یا آغاز نومبر ۱۹۹۲ء میں مادرِ علمی

جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوگا —

اس موقع سے ایک سیمنار بعنوان "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" بھی منعقد ہوگا۔

تمام طلبہ قدیم سے شرکت کی پرخلوص درخواست ہے۔

ناظم اجلاس

(مولانا) رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

جلد: ۷ رمضان، شعبان ۱۴۱۲ھ / فروری، مارچ ۱۹۹۲ء شمارہ: ۳-۲

بدلِ اشتراک

سالانہ زرِ تعاون :	۴۰ روپے
خصوصی تعاون :	۱۰۰ روپے
غیر ممالک سے :	۲۰ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ :	۴ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر

عبد البر اثری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ:

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۳

نشاط آفسیٹ پریس، ٹانڈہ، فیض آباد

نقوش حیات نو

صفحہ

• اداریہ

قرآن کے ساتھ کھیل نہ کیجئے	محمد اسمٰعیل فلاحی	۳

• بارگاہ ربانی سے

توبہ و استغفار	ابو یحییٰ فلاحی	۱۲

• بحث و نظر

حدیث و سنت کی تحقیق کا فراہی منہاج	خالد مسعود	۲۰

• انٹرویو

عالم اسلام کی عظیم خاتون محترمہ مریم جمیلہ سے خصوصی گفتگو	عباس اختر اعوان	۳۴

• تعلیم و تعلم

توجہ مطلوب ہے	عبدالبرا اثری فلاحی	۴۰

• شعر و نغمہ

الوداعی نظم	ابوالحسن خان راشد	۴۸

• تعارف و تبصرہ

نقوش و تاثرات	عبدالبرا اثری فلاحی	۴۴

• اخبار علمیہ

دنیا کی سب سے قیمتی کتاب، چالیس من وزنی قرآن مجید۔	ابن العلم فلاحی	۶۱
المنجد میں نصرانی میلانات	ابن عبدالرحمٰن فلاحی	۶۳

• جامعہ کے لیل و نہار

وفود کی روانگی، مہمانوں کی آمد، انجمن کی شوریٰ کا اجلاس	نور محمد فلاحی	۶۷
بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں	ڈاکٹر خلیل احمد	۷۱

قرآن کے ساتھ کھیل نہ کیجئے

رمضان نیکیوں اور بھلائیوں کا موسم خوشگوار ایک بار پھر اپنی بہاروں کے ساتھ آرہا ہے کہ ہم اپنی محرومی و بدبختی کو سعادتوں سے بدل لیں۔ اس مہینہ کی سب سے بڑی رحمت اور برکت یہ ہے کہ اس میں قرآن کا نزول ہوا اور اس نعمت قرآن کی شکر گذاری کے لئے اس مہینے میں روزوں کا اہتمام ہوا۔ قرآن میں اور روزے میں کیا نسبت ہے قرآن اپنے بارے میں کہتا ہے۔

الٓمٓ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ۔

الف لام میم۔ یہ وہی کتاب ہے (جس کا وعدہ کیا گیا تھا) اس کے کتاب الٰہی ہونے میں شک نہیں متقیوں کے لئے یہ ہدایت ہے۔

(البقرہ ۱-۲)

اور روزے کا مقصد قرآن یوں بتاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بنو۔

(البقرہ ۱۸۳)

قرآن ہدایت و رہنمائی کا سامان بن کر یوں تو سارے انسانوں کیلئے آیا ہے، لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں، جن کے اندر تقویٰ اور خوف خدا ہو، روزہ اس کیفیت کو پیدا کرتا بڑھاتا اور قرآن سے صحیح معنوں میں استفادہ کیلئے انسان کو تیار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اس مہینہ میں نازل ہوا اور اسے روزوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ گویا رمضان قرآن کا مہینہ ہے اور روزہ اس طرح رکھنا مقصود ہے کہ تقویٰ کے نتیجہ میں قرآن سے زیادہ سے زیادہ رہنمائی اور

ہدایت حاصل کی جاسکے، دلوں کا زنگ دور ہو، وہ آلودگیوں سے پاک اور آئینے کی طرح شفاف ہوسکیں۔ دل بھی زنگ آلود ہوجایا کرتے ہیں اور ان کا زنگ قرآن سے دور ہوتا ہے، حدیث ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ کَمَا یَصْدَأُ الْحَدِیْدُ اِذَا اَصَابَہُ الْمَاءُ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا جِلَاؤُھَا؟ قَالَ کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْآنِ

(بحوالہ معیفہ نجات، مشکوٰۃ۔ ابن)

نبیؐ نے فرمایا دل کو بھی زنگ لگتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگتا ہے جب بھیگ جاتا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول دل کا زنگ کس چیز سے دور ہوگا؟ فرمایا موت کو بہ کثرت یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت سے۔

یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ قرآن سے مسلمانوں کا جذباتی لگاؤ ہے، رمضان کا بابرکت مہینہ آتا ہے تو ہماری مسجدوں میں نماز تراویح کے اندر پورے قرآن کے سننے کا جہاں خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے وہیں انفرادی طور سے بھی قرآن کی خوب خوب تلاوت کی جاتی ہے۔ بہت سے خوش قسمت لوگ اس مبارک مہینہ میں اس کے کئی کئی ختم کرڈالتے ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ تلاوت کا وہ کیا انداز ہے اور وہ کیسی تلاوت ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے اندر وہ مطلوبہ صفات پیدا ہوسکیں اور ہم قرآن کے مردِ مومن بن سکیں۔ قرآن میں نبی کریمؐ کو خطاب کرکے اس سلسلہ میں یہ ہدایت کی گئی ہے،

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً ——— قرآن کو خوب صاف صاف ٹھہر ٹھہر کر عمدگی سے پڑھو۔
(المزمل ۴)

رَتِلَ یَرْتَلُ رَتَلاً کے معنی ہیں اَلشَّیْئُ تَنَاسَقَ وَانْتَظَمَ اِنْتِظَامًا حَسَنًا خوبصورتی کے ساتھ ترتیب پانا، جڑنا اور اکٹھا ہونا، عمدہ نظام و ترتیب میں ہونا، گویا رتل حسنِ انتظام اور عمدہ ترتیب کو کہیں گے۔ وہ دانت جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نہ ہوں،

اور ان کے مابین ہلکی سی لکیر اور دکھا ہو اور اچھی مناسب ترتیب ہو، نگی کشادگی، ہمواری اور حسن و چمک میں گل بابونہ کے مشابہ ہوں، انھیں ثَغْرٌ رَتَلٌ یا رَتِلٌ یا مُرَتَّلٌ کہتے ہیں۔ یہ دانت خوبصورت اور اچھے قسم کے مانے گئے ہیں۔ رَتَلٌ دانتوں کی سفیدی اور دانتوں کی رونق اور چمک کو بھی کہتے ہیں۔ کلامٌ رَتَلٌ و رَتِلٌ سنجیدگی متانت کے ساتھ اچھی اور مربوط گفتگو کے لئے آتا ہے۔ اسی رَتَلٌ سے رَتَّلَ مزید بنا تو اس کے معنی کے اندر تعدیہ اور مبالغہ دونوں کا مفہوم پیدا ہوگیا، رَتَّلَ الْکَلَامَ کا مفہوم ہوا اَحْسَنَ تَألِیْفَہٗ وَاَبَانَہٗ وَتَمَھَّلَ فِیْہِ کلام کی خوب اچھی طرح تالیف کرنا، اسے ترتیب دینا، واضح کرنا اس میں جلد بازی سے کام نہ لینا۔ رَتَّلَ سے امر کا صیغہ رَتِّلْ بنا۔ ابن عباسؓ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً کا مطلب بتاتے ہیں بَیِّنْہُ تَبْیِیْناً، اسے خوب واضح کرو! ابو اسحاق کہتے ہیں یہ توضیح اور تبیین جلدی جلدی پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگی، اس کا تو حق بس اسطرح ادا ہوگا کہ تمام حروف خوب واضح کرکے انھیں پورا پڑھا جائے ...... یہی اس طرح کی بات علامہ زمخشری بھی فرماتے ہیں کہ ٹھہر کر اطمینان و سنجیدگی کے ساتھ حروف اور حرکات کی پوری وضاحت کے ساتھ اس طرح پڑھنا کہ وہ جس کی تلاوت کی جارہی ہے اپنی عمدگی اور خوبصورتی میں اس خوبصورت، ہموار کشادہ دانت کے مشابہ ہوجائے جو گل بابونہ کے مانند ہے جس کا ابھی اوپر تذکرہ گذرا[1]۔ خلاصہ بحث یہ نکلا کہ ترتیلِ قرآن جس کا نبی کریمؐ کو حکم دیا گیا وہ یہ ہے کہ قرآن کی اس طرح تلاوت کی جائے کہ اس میں حسن و دلکشی، نغمگی اور گنگناہٹ کی کیفیت ہو، بے تکلفی اور برجستگی ہو تکلف اور بناوٹ نہ ہو، حروف صحیح مخارج کے ساتھ اس طرح ادا کئے جائیں کہ وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ نہ ہونے پائیں، حروف دبا کر، الفاظ کھا کر ان کو اس طرح پڑھنا کہ نہ حرکات و سکنات معلوم ہوں، نہ وقف کا پتہ چلے، صرف یعلمون، تعلمون سنائی دے، ترتیلِ قرآن کے خلاف ہی نہیں بلکہ قرآن کی بے حرمتی اور توہین ہے۔ حضرت عائشہؓ نبی کریمؐ کی تلاوت کا نقشہ کھینچتی ہیں

[1] استفادہ از اساس البلاغۃ اور الکشاف للزمخشری اور لسان العرب لابن منظور

کہتے ہیں :

لاکسرِدِکُم ھٰذا ۔ لَو اَرادَ السّامعُ اَن یَعُدَّ حُروفَهٗ لَعَدَّھا
(الکشاف)

تمہاری طرح وہ جلد بازی نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح تلاوت فرماتے کہ سننے والا حرف گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

ام سلمہ فرماتی ہیں

عن امّ سلمۃ قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یُقطّعُ قراءتہٗ یقولُ اَلحمدُ للّٰہِ ربِّ العالمین ثمّ یقفُ ثمّ یقولُ اَلرّحمٰنِ الرّحیمِ ثمّ یقفُ (ترمذی)

نبیؐ اس طرح تلاوت کرتے تھے کہ ہر ہر حرف نمایاں ہوتا تھا الحمد للہ رب العلمین کہتے تو وقف فرماتے پھر الرحمٰن الرحیم کہتے تو وقف فرماتے

ہمارے یہاں قرآن جلدی جلدی پڑھنے کی ایک انتہا تو وہ ہے جس کا مظاہرہ تراویح کی نمازوں میں ہوتا ہے، دوسری انتہا قاری حضرات کبھی کبھی تجوید کے نام پر کرتے ہیں حالانکہ تجوید ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنے اور تمام صفات کے ساتھ ادا کرنے کا نام ہے۔ الفاظ کو اتنا کھینچ اور تان کر پڑھنا کہ حروف ایک دوسرے سے بیگانہ ہو جائیں، تکلف اور برجستگی رخصت ہو جائے، اور انسان "آ آ" سنتا رہ جائے، نہ صرف فنِ تجوید سے ناواقفیت کی دلیل ہے بلکہ اس طرح پڑھنے سے قرآن کا سارا زور ختم ہو جاتا ہے اور اس کی تاثیر غائب ہو جاتی ہے۔

تلاوت کے سلسلہ میں ایک اور ضروری بات جو سمجھ لینے کی ہے وہ یہ ہے کہ خود تلاوت کا مفہوم کیا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی، علامہ زمخشری اور علامہ ابن جوزی کے مطابق تلاوۃ کسی چیز کی متابعت اور اتباع کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی کے پیچھے چلنا، اس کی اتباع کرنا مثلاً قرآن میں ہے :

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَا (شمس ۲) اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے آئے۔

اس کے تمام استعمالات میں اتباع کا مفہوم پایا جاتا ہے۔[۱] تلاوتِ قرآن کے معنی ہوئے قرآن اس لئے پڑھنا کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے اور یہ عمل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اسے سمجھا نہ جائے۔ قرآن ہم اس لئے پڑھتے ہیں کہ اسے اچھی طرح سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ بے سمجھے بوجھے صرف الفاظ کی ادائیگی ایسی چیز ہے جسے تلاوت کہنا مشکل ہے یا ایک دھڑ ہے جس میں روح نہیں یا ایک پھول ہے جو رنگ و بو دونوں سے محروم ہے۔ استاذ شفیق و محترم مولانا جلیل احسن ندوی[۲] لکھتے ہیں

"تلاوت کے معنی عربی زبان میں بے سمجھے الفاظ پڑھنے کے نہیں آتے بلکہ قرآن کے الفاظ پڑھنے، معنی سمجھنے اور عمل کرنے کا نام تلاوت ہے۔ لیکن ماتم کیجئے کہ امت کی اکثریت ..... صرف الفاظ پڑھنے پر مطمئن ہو گئی ہے"

سوال یہ ہے کہ قرآن سے ہمارے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ کیا یہ کتاب محض حصولِ برکت اور ایصالِ ثواب ہی کا ذریعہ ہے جیسا کہ ہم نے اسے عملاً بنا رکھا ہے؟ قرآن اپنی یہ حیثیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وہ تو اپنے کو حق و باطل کی کسوٹی[۳]، تاریکیوں میں روشنی[۴] اور ہدایت و رہنمائی[۵] کی کتاب بتاتا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ تو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا[۶] اور سارے انسانوں کے لئے یاددہانی اور نصیحت[۷] ہے۔ مفہوم و مدعا سمجھے بغیر صرف الفاظ پڑھ لینے سے راہِ راست کا ملنا، حق اور باطل کے درمیان امتیاز کی صلاحیت کا پیدا ہونا، تاریکیوں کا چھٹنا اور یاددہانی اور نصیحت حاصل کرنا کیا ممکن ہے؟ کیا یہ ہماری زندگی کی سب سے اہم ضرورت نہیں جس پر دنیا ہی کی نہیں، آخرت کی کامیابی منحصر ہے؟

قرآن میں کبھی خدا کی صفات آتی ہیں، کبھی اس کی نعمتوں اور نوازشوں کا تذکرہ ہوتا ہے، کبھی وہ انسان کو اس کے اپنے وجود کی طرف متوجہ کرتا ہے اور کبھی آسمان و زمین، سورج، چاند، ستارے، دریا و پہاڑ، چرند پرند، بارش، ہوائیں، اختلافِ روز و شب، باغات اور کھیت دکھلا کر اپنی قدرت، حکمت، رحمت اور ربوبیت کی

۱۔ استفادہ از اساس البلاغۃ للزمخشری اور نزہۃ الاعین النواظر لابن جوزی .....
۲۔ مقدمہ [illegible] ۱۹۶ ۳۔ الفرقان ۔ ۴۔ مائدہ ۵ ۔ ۵۔ النحل ۸۹، البقرہ ۵ ۔ ۶۔ الجن ۲ ۔ ۷۔ القلم ۵۲

غیر معمولی جلوہ گری پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کبھی وہ ہمیں لے ماضی میں چلا جاتا ہے اور قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں سناتا ہے۔ تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات پر سے گزرتا ہے تو دلوں میں کپکپی پیدا کر جاتا ہے۔ بدر جیسے معرکوں میں تین سو تیرہ کو اپنے سے تین گنی طاقت کے بالمقابل غالب ہوتے دکھاتا ہے تو نیا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ احد میں اپنی غلطی سے مسلمانوں کے زخم کھانے کا منظر سامنے لاتا ہے تو مومن کو حد درجہ محتاط اور چوکنا کر دیتا ہے۔ جنت میں لے کر کبھی پہونچ جاتا ہے تو ایک سے بڑھکر ایک دلنواز اور جانفزا منظر دلوں میں چٹکیاں لینے لگتا ہے۔ دوزخ کی طرف سے گذرتا ہے تو لگتا ہے اس کے شعلے پیچھا کر رہے ہوں۔ انسان جب غور کر کے تدبر کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو یہ سارے مناظر سامنے آتے ہیں اور ہر منظر اپنا الگ رنگ رکھتا اور مخصوص اثر چھوڑتا ہے اور انسان کی کایا پلٹ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی

اسی لئے قرآن بار بار اپنے اندر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، مثلاً کہتا ہے۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ۔ (ص ۲۹)

یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل خالص رکھنے والے نصیحت حاصل کریں

منافقین کو ڈانٹتے ہوئے قرآن کہتا ہے

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔ (محمد ۲۴)

کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

حضرت حذیفہؓ کی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور تلاوت کا یوں نقشہ پیش کرتی ہے

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ نبی کے ساتھ میں نے نماز تہجد پڑھی۔ نماز میں کوئی

صَلٰوةَ اللَّيْلِ فَمَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ إِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَمَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا ذِكْرُ النَّارِ إِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ مِنَ النَّارِ (التفسیر المظہری)

ایسی آیت آتی جس میں جنت کا تذکرہ ہوتا تو ٹھہر کر اللہ سے جنت کی دعا فرماتے اور ایسی آیت آتی جس میں جہنم کا ذکر ہوتا تو رک کر جہنم سے پناہ مانگتے۔

قرآن سے صحیح لطف اور حظ تو وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو قرآن کی زبان جانتا ہو اور قرآن کی زبان سیکھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ جو لوگ قرآن کی زبان نہیں جانتے انھیں قرآن کے ترجموں سے مدد لینی چاہیے۔ اہل خانہ کے ساتھ انفرادی طور سے بھی اور اجتماعی طور پر بھی قرآن کے الفاظ پڑھ کر ترجمہ کی مدد سے اسے سمجھنے کا اہتمام ہونا چاہئے۔ تراویح میں جہاں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا اہتمام ہو وہیں مناسب ہوگا کہ ایک پارہ پڑھا جائے اور ہر چار رکعت میں جو کچھ پڑھنا ہے پہلے ہی اس کا خلاصہ بتا دیا جایا کرے۔ انفرادی طور سے یہ اہتمام ہونا چاہیے کہ رمضان میں ایک بار پورے قرآن کا ترجمہ ضرور پڑھیں گے یا کسی سے پڑھوا کر سنیں گے۔

قرآن کریم اللہ کی کتاب مانتے اور زندگی کا دستور اور قانون تسلیم کرتے ہیں۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اسے سمجھنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے۔ قرآن سے صحیح معنوں میں فائدہ ہم اسی صورت میں اٹھا سکتے ہیں اور تقویٰ ہمارے اندر اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے اور دنیا میں گمراہیوں اور خدا کی نافرمانیوں اور آخرت میں اس کے عذاب سے اسی صورت میں بچ سکتے ہیں جب ہم قرآن پڑھیں، بار بار پڑھیں، سمجھ کر معنی و مطلب کے ساتھ پڑھیں اور عمل کے جذبے اور ارادے سے پڑھیں۔ دنیا کی کوئی معمولی سے معمولی چیز بھی ہم پڑھتے ہیں تو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جسے سب سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہیے تھی اسے ہی ہم آنکھ بند کر کے بے سمجھے بوجھے پڑھ لینا کافی سمجھتے ہیں۔ خود پڑھنے کا لفظ دنیا کی جس زبان میں بھی بولا جاتا ہے سمجھ کر پڑھنے ہی کے

معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔ آپ کہتے ہیں فلاں کتاب پڑھ لی ہے اس کا لازمی طور پر یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا ہے۔ آپ نے کتاب ایک لفظ نہ سمجھی ہو اور کہیں کہ پڑھ لی ہے تو دنیا میں کوئی یہ تسلیم نہیں کرے گا کہ آپ نے اسے پڑھا ہے لیکن قرآن کو بے سمجھے پڑھتے ہیں اور خوش ہوتے اور دھوکے میں رہتے ہیں کہ پڑھ لیا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہیں پڑھا۔

ہماری ساری محرومیوں اور سارے مسائل کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم نے قرآن کا حق ادا نہیں کیا اور قرآن پر مسلسل ظلم روا رکھا۔ نہ سمجھ کر پڑھنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری زندگیاں عملاً قرآن و سنت سے دور رہیں اور ہم افراط و تفریط میں پڑ کر گروہوں اور تفرقوں کا شکار ہوئے۔ ایک طرف ہمیں قرآن سے عقیدت رہی دوسری جانب ہم نے اسے طاقِ نسیاں بنا دیا۔ ایک طرف ہم اس کے لئے لڑنے اور مرنے مارنے کے لئے تیار رہے، دوسری جانب بڑی بے دردی سے اس کے احکام کو روندتے اور ٹھکراتے رہے، اور ہماری عقیدت اور حمیت پر کبھی کوئی حرف نہیں آیا۔ قیامت کے دن اللہ کے رسولؐ اپنی قوم کے خلاف فریاد کریں گے، "قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا"[1] اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور پسِ پشت ڈال دیا تھا۔" کہیں ایسا نہ ہو ہمارے اس تضاد کی وجہ سے اللہ کے رسول کی یہ فریاد ہمارے خلاف بھی ہو اور پھر ہمارا حال یہ ہو ؏

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

ہمارا جو رویہ قرآن کے ساتھ ہوگا، خدا کا وہی رویہ ہمارے ساتھ ہوگا۔

اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ
(مسلم)

اللہ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کو سربلندی عطا کرتا ہے اور کچھ کو پستی میں ڈال دیتا ہے۔

۱؎ الفرقان ۳۰

آئیے، قرآن اٹھائیں، اس سے گرد کی تہوں کو صاف کریں، اسے سینے سے لگائیں، اگر عربی زبان نہ جانتے ہوں تو کوئی ترجمے والا قرآن ہی لے لیں، اسے کھولیں، پڑھیں، ترجمہ اور مطلب دیکھتے جائیں۔ دیکھیں ربِ کریم ہم سے کیا کہتا ہے، اس کے پیغام میں کتنی چاشنی اور حلاوت ہے، کیسا لطف اور کتنا سرور ہے۔ یقین جانئے اس کے الفاظ کے ساتھ ساتھ آپ کو نئی زندگی ملے گی۔ جیسے جیسے پڑھتے جائیں گے ایک حیاتِ تازہ رگوں میں خون بن کر دوڑتی چلی جائے گی۔ یہ زندہ ہستی (حیّ و قیوم) کی طرف سے آیا ہوا زندہ اور زندگی بخش پیغام ہے۔

ہائے ہماری حرماں نصیبی بھی کیسی المناک و عبرتناک ہے، روشنی رکھتے ہوئے بھی ٹھوکریں کھاتے رہے، تریاق رکھتے ہوئے بھی درد سے تڑپتے رہے، کیا سیہ بختی اور کوتاہ نصیبی کے دن یونہی ہم پر چھائے رہیں گے اور امسال بھی رمضان میں قرآن صحیح معنوں میں پڑھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔
(الحدید ۱۶)

کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اس کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔
(تفہیم القرآن)

بارگاہ ربانی سے

توبہ و استغفار

ابو یحییٰ فلاحی

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ... اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم ۸)

ترجمہ۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے توبہ کرو مخلصانہ توبہ۔ امید ہے تمہارا رب تمہاری غلطیوں کو تم سے جھاڑ دے اور ایسی جنتوں میں داخل کرے جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی جس دن اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اسکے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا۔ انکا نور انکے سامنے اور انکے دائیں چل رہا ہوگا، وہ دعا کر رہے ہونگے اے ہمارے مالک! ہمارے لئے ہمارا نور مکمل فرما اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ سورہ تحریم کی ایک آیت ہے۔ اس سورہ میں مسلمانوں کو جائزہ اور احتساب کی تعلیم دی گئی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ؐ کی ایک ایسی بات پر گرفت فرمائی ہے جس کا محرک گرچہ نیکی کا جذبہ تھا لیکن اسکے دور رس نامناسب اثرات رونما ہو سکتے تھے۔ اسکے بعد نبی ؐ کی ازواج مطہرات کا جائزہ لیا اور کہنا چاہیے کہ سخت جائزہ لیا ہے اور انھیں انکے شایان شان رویے کی تاکید کی ہے۔ پھر عام مسلمانوں کو احتساب اور جائزہ کی تعلیم دی ہے۔ فرمایا ہے، صرف اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کہہ دینا تمہاری نجات کے لئے کافی نہیں ہے تمھیں اس آگ سے بچنے اور اپنے گھر والوں کو بچانے کی شعوری کوشش کرنی ہوگی جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اس آگ پر ایسے فرشتے مامور ہوں گے جو نہایت تندخو اور سخت ہونگے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لائیں گے۔ جو لوگ اس آگ سے بچنے بچانے کی شعوری فکر نہیں کرتے قیامت کے روز عند اللہ ان کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا۔ اس آگ سے بچنے کی شکل کیا ہوگی اس آیت میں بتائی جا رہی ہے۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے
تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ (تحریم ۸)	توبہ کرو خالص توبہ

تَابَ یَتُوْبُ تَوْبَۃً کے معنی ہیں پلٹنا، رجوع ہونا، باز آنا۔ اس کی نسبت بندے کی طرف بھی ہوتی ہے، جیسے تَابَ فُلَانٌ اور اللہ کی طرف بھی ہوتی ہے، جیسے تَابَ اللّٰہُ۔ جب بندے کی طرف نسبت ہو جیسے اس آیت میں ہے تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ معصیت اور نافرمانی سے باز آجائے، اپنی غلط حرکتوں کو چھوڑ دے اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے اس کی طرف پلٹ آئے۔ خدا کی بارگاہ میں اس سے جو کوتاہی ہوتی تھی اس سے رجوع کرے اور اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈالدے۔ لیکن جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بندہ کی جانب خدا اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے ساتھ متوجہ ہے۔ لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ۔ اللہ نے نبی اور مہاجرین پر نظر کرم کی، ان سے خوش ہوا اور انکی توبہ قبول کرلی۔ بندہ کیلئے تَوَّابٌ کا لفظ آئے گا تو مطلب ہوگا کہ بندہ بڑا توبہ کرنے والا اور بار بار خدا کی طرف پلٹنے والا ہے۔ خدا کیلئے تَوَّابٌ استعمال ہوگا تو معنی ہوں گے "وہ بندے کی طرف متوجہ ہے" بہت معاف کرنے اور بڑی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پلٹنے کا مفہوم دونوں میں ہوتا ہے۔ بندہ گناہوں پر شرمساری کے ساتھ، خدا کی رحمت کی امید لئے خدا کی طرف پلٹتا ہے اور خدا بندے کی توبہ قبول کرتے ہوئے رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ بندے کے پلٹنے کے لئے صلہ اِلٰی آتا ہے اور خدا کے لئے صلہ عَلٰی آتا ہے۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ اے ایمان لانے والو! اللہ سے مخلصانہ توبہ کرو، صرف ایمان کا دعویٰ کافی نہیں ہے۔ شعوری طور پر ایمان لاؤ اور اس کے تقاضے پورے کرو۔ ایمان کے متغائر اور متضاد چیزوں سے باز آؤ، بے حسی، لاپرواہی اور غفلت کی جو زندگی پہلے تھی اسے ترک کردو اور سچ مچ اللہ کی طرف پلٹ آؤ۔ وہ کون انسان ہے جس سے کوتاہی نہ ہوتی ہو اور وہ کون ہے جو اپنی معصومیت اور بزرگی کا دعویٰ کر سکے، معصوم تو صرف انبیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ	اگر اللہ لوگوں کے ظلم کے سبب ان کا

مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى
(النحل ٦١)

مواخذہ کرتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا لیکن ایک مقررہ مدت تک وہ مہلت دے رہا ہے۔

احادیث میں آتا ہے۔

كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاؤُونَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ۔

تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔

آدم اور ابلیس میں توبہ وانابت کا فرق ہے۔ آدم سے غلطی ہوتی ہے نادم ہوتے ہیں روتے گڑگڑاتے اور معافی مانگتے ہیں۔ ابلیس خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو شرمانے کے بجائے اکڑتا اور تن جاتا ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ اسکا سر اکڑ رہ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے۔

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ
(الاعراف ۱۶-۱۷)

ابلیس نے کہا چونکہ اے خدا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں ضرور تیری سیدھی راہ پر ان کی (یعنی آدم اور اولاد آدم کی) گھات میں بیٹھونگا اور ان پر حملہ آور ہونگا سامنے سے پیچھے سے داہنے سے اور بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہیں پائے گا۔

توبہ عبدیت کی علامت اور نیک بندوں کی پہچان ہے۔ خدا کے نیک بندے خدا کی طرف بار بار پلٹنے والے ہوتے ہیں۔ نیکی کر کے ان کا سر اکڑتا نہیں اور جھک جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللَّهِ فَإِنِّي أَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ

اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو میں دن میں سو سو بار اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد اذا اخطأ خطیئۃ نکتت فی قلبہ نکتۃ فان ھو نزع واستغفر صقلت فان عاد زید فیہا حتی تعلو قلبہ فذالک الران الذی ذکر اللہ تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون۔
(ترمذی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت فرماتے ہیں جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اسکے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے اسکے بعد اگر وہ اسے چھوڑ دے اور معافی مانگ لے تو وہ دھبہ ختم کر دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ گناہ کرتا رہا تو وہ دھبہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسکے پورے دل پر چھا جاتا ہے اسی حالت کا نام رَین ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے "کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون۔ (ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد زنگ بن کر چھا گئے ہیں)

توبہ یہ نہیں ہے کہ آدمی مسلسل خدا کی نافرمانی بھی کرتا جائے اور توبہ توبہ بھی کرتا جائے اور حالت یہ ہو ؎

توبہ میری جام شکن اور جام میرا توبہ شکن

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ

اللہ پر توبہ قبول کرنے کی ذمہ داری بس ان لوگوں کیلئے ہے جو جہالت سے مغلوب ہو کر گناہ کرتے ہیں پھر جلد ہی تائب ہو جاتے ہیں انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، اور وہ علم اور حکمت والا ہے۔ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ جاتی ہے تو کہتا ہے اب میں نے توبہ کر لی اور ان کی بھی توبہ قبول نہیں ہوتی

عَذَابًا اَلِیْمًا۔ — جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں انکے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(النساء ۱۷-۱۸)

توبہ کی روح یہ ہے کہ آدمی گناہوں پر شرمسار ہو، اس کا دل بے چین ہو جائے اللہ سے معافی مانگے، اگر کسی کا حق مارا ہے تو اس کا حق واپس کرے، فرائض میں کوتاہی ہوئی ہے تو اسے پورا کرے اور آئندہ کے لئے پختہ عزم ہو کہ اب ایسی غلطی ہرگز نہیں ہوگی۔

انسان اس دنیا میں بہت سی آزمائشوں میں گھرتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے۔ ان آزمائشوں کی ایک وجہ کبھی یہ بھی ہوتی ہے کہ اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ مومن کا کام ایسے وقت میں اللہ کی طرف پلٹنا اور معافی مانگ کر اسے راضی کرنا ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں صرف استغفار ہی کرتے ہیں اور کوئی دوسری دعا نہیں کرتے کیونکہ یہی تو شاہ کلید ہے کہتے ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ — تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو پاک ہے یقیناً میں ظالموں میں سے ہوں۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے، بارش نہیں ہو رہی تھی آپؓ نے نماز استسقاء پڑھائی اور بارش کی دعاء کے بجائے صرف استغفار کیا۔ یہ سوال کئے جانے پر کہ بارش کی دعا کیوں نہیں کی؟ فرمایا میں نے استغفار کے ذریعہ رحمت کی کنڈی کھٹکھٹا دی ہے، حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔ — میں نے (اپنی قوم سے) کہا اپنے رب سے معافی چاہو، وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، آسمان سے رحمت کے ڈونگرے برسائے گا، تمہیں مال و اولاد سے نوازے گا، باغات پیدا کریگا اور نہریں جاری کرے گا

(نوح ۱۰-۱۱-۱۲)

مسلمان جن آزمائشوں سے دوچار ہیں کیا یہ بعید از قیاس ہے کہ ہماری مسلسل نافرمانیوں کے نتیجہ میں یہ اللہ کی ناراضگی کا نتیجہ ہوں؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان انفرادی حیثیت سے

بھی اور اجتماعی طور پر بھی خدا کی طرف پلٹیں، اس سے سچی معافی مانگیں اور اپنی اصلاح کریں۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم خالص توبہ کروگے تو امید ہے کہ تمہارا رب تمہاری غلطیوں کو معاف کر دے اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ باغ میں نہروں کا بہنا باغ کے سدا بہار ہونے کی دلیل ہے۔ یہاں عسیٰ (امید ہے، ہو سکتا ہے) کہے ہیں۔ یہ نہیں کہا ہے کہ یقیناً ایسا کرہی دیگا۔ بادشاہوں اور امراء کا یہ طریقہ تھا کہ جن چیزوں کے جواب میں وہ ہو سکتا ہے، امید ہے وغیرہ الفاظ استعمال کرتے تھے اسے ان کی جانب سے وعدہ سمجھا جاتا تھا اور وہ یقینی چیز ہوتی تھی کیونکہ ان امراء اور بادشاہوں کے لئے ان کے پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ یہی اسلوب یہاں اختیار کیا گیا اور کہا گیا کہ ہو سکتا ہے اللہ معاف کردے۔ اس اسلوب کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ بندہ امید و بیم کے درمیان رہے، مستغنی ہو کر بیٹھ نہ جائے بلکہ لگا رہے اور کوشش کرتا رہے۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ ...... اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو جنت میں داخل کریگا یہ وہ دن ہوگا جس دن کہ اللہ نبی اور اسکے ان ساتھیوں کو رسوا نہیں کریگا جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہر ہر لمحہ اس کا ساتھ دیا۔ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ..... اسکے ساتھ ہو کر ایمان لائے نبی ﷺ کا پورے طور پر ساتھ دیا۔ ہر قدم پہ اسکے ساتھ رہے۔ کسی وادی اور گھاٹی میں نبی کو اکیلے نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن رسوا نہیں کرے گا جو عظیم رسوائی کا دن ہوگا وہ ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ...... ان کا نور انکے سامنے اور دائیں چل رہا ہوگا اور وہ دعا کر رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور مکمل فرما اور ہمیں معاف کردے تو ہر چیز پر قادر ہے۔ میدان حشر سے مومنین مخلصین جنت کی طرف جارہے ہوں گے، ہر طرف اندھیرا ہوگا، لوگ ٹھوکریں کھارہے ہوں گے مومنین کو سیدھے ہاتھوں میں سامنے سے انکا اعمالنامہ دیا جا چکا ہوگا۔ کئے نیک اعمال کی روشنی پھوٹ رہی ہوگی اور وہ اسی روشنی میں دعا و استغفار کرتے ہوئے جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔

اس آیت میں توبہ کا ایک خاص مفہوم ہے۔ وہ یہ کہ سورہ حدید سے سورہ تحریم تک کا

حصہ مسلم معاشرہ کی تطہیر کیلئے نازل ہوا ہے۔ مسلمانوں کے اندر جو داخلی کمزوریاں تھیں ان کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے اور انھیں جانی و مالی قربانی دینے پر ابھارا گیا ہے۔ ایک ایک شخص ایمان لے آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے دین کو اس دنیا میں غالب کرنے کے لئے کوشش نہیں کرتا انفاق سے بھاگتا ہے اور جہاد سے جی چراتا ہے، اس طرح کے مسلمانوں کو بڑی سخت وعید سنائی گئی ہے، اس سیاق میں یہاں توبہ کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ اللہ کے دین کی مخلصانہ پیروی کرے اور اللہ کے دین کی دعوت اللہ کے بندوں کو دے اور اس میں جانی و مالی کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت کا امیدوار کیسے ہو سکتا ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ ہمیں مطمئن ہونے کے بجائے ہمیشہ اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور اپنی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہئے۔ ہم سے اگر کوئی نیک کام ہوتا ہے تو سراسر اللہ کا فضل ہے، وہ ہمارا کوئی کارنامہ نہیں ہے جس پر ہم پھولے سمائیں۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے، اسلام غالب ہو جائے، لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں تو تم اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرنا اور اس سے معافی چاہنا کہ اس کام میں جو کوتاہی رہ گئی ہو خدا معاف کرے۔

حضرت نوحؑ نے ایک لمبی مدت تک دعوت کا کام کیا، ہر طریقہ اپنایا اور ہر مصیبت سہی، وہ اپنی قوم کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے سفارش کرتے ہیں کہ خیر کی کوئی رمق ان کے اندر باقی نہیں رہ گئی ہے اب ان کا صفایا ہونا چاہئے، ان کی یہ سفارش فوراً قبول ہوتی ہے، اس موقع پر بھی انھیں اپنا خیال آتا ہے اور وہ استغفار کرتے ہیں رَبِّ اغْفِرْ لِی اے میرے رب! مجھے بخش دے، میرے گناہوں کو معاف کردے ذرا سوچئے تحریک کا یہ بوڑھا قائد ایک دو دن نہیں ساڑھے نو سال تک دعوت کے میدان میں ڈٹا رہا، اپنی قوم کو لوٹ لوٹ کر اور تڑپ تڑپ کر بلاتا رہا، شباب کی بہترین صلاحیتیں لگائیں اور بڑھاپے کی سوکھی ہڈیوں کو بھی نچوڑ کر رکھ دیا۔ آہ! اس نے کیا چھوڑا؟ کچھ بھی تو نہیں، لیکن پھر بھی اسے اپنی کمزوریوں کا اتنا شدید احساس ہے،

جب لہو رُلا کر اور سارا قربان کر کے بھی وہ سمجھتا ہے حق ادا نہیں ہوا اور کہتا ہے رَبِّ اغْفِرْ لِی۔ اے میرے رب مجھے معاف کردے۔ دراصل یہی مومن کی پہچان ہے کہ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو، اپنی خامیوں کا اعتراف ہو، اس کا دل اپنے گناہوں پر روئے، وہ اپنے کو بڑی چیز نہ سمجھے، اسے اپنی عاجزی اور بے بسی کا احساس ہو، اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو سینے سے لگاتا ہے، وہ تو ایسے بندوں کی تلاش میں رہتا ہے، اسے ایسے بندوں کو پاکر بڑی خوشی ہوتی ہے

عَنْ اَبِی مُوسَی الاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوبَ مُسِیْءُ النَّہَارِ۔ وَیَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّہَارِ لِیَتُوبَ مُسِیْءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِہَا

(مسلم)

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والا رات میں اللہ کی طرف پلٹ آئے اور دن میں وہ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہاتھ پھیلاتا رہے گا یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے (یعنی قیامت آجائے)

ہے کوئی جو اللہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے!

شرائط ایجنسی

۱۔ ایجنسی کم سے کم پانچ پرچوں پر دی جائے گی ۲۔ ۲۵ روپئے ایڈوانس جمع کرنے ہوں گے

۳۔ پانچ سے پندرہ پرچوں تک ۲۵% کمیشن دیا جائیگا۔ البتہ پندرہ سے زائد پر ۳۰% کمیشن دیا جائیگا۔

۴۔ رسائل کی روانگی کا خرچ ادارہ برداشت کریگا، البتہ وی پی اور رجسٹری خرچ ایجنٹ کے ذمے ہوگا۔ ۵۔ ہر مہینہ کا بل باقاعدگی سے ادا کرنا لازم ہوگا۔

منیجر مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو۔پی) ۲۷۶۱۲۱

حافظ مسعود

حدیث و سنت کی تحقیق کا فراہی منہاج

امام حمید الدین فراہیؒ نے قرآن حکیم کو اپنے فکر کا مرکز و محور بنایا اور اس صحیفۂ آسمانی پر راست طریقہ سے غور و تدبر کے اصول وضع کیے جن میں اصل اہمیت لغت کے تتبع، نظائر قرآنی کی تلاش، آیات کے سیاق و سباق اور سورتوں کے نظم کو دی گئی۔ ان کے نزدیک ان اصولوں پر مبنی تفسیر قرآن کے حقیقی مدعا سے قریب تر ہوتی ہے اور اس کے ذریعے تاویل قرآن کے اختلاف کو بے حد کم کیا جا سکتا ہے۔ امت اگر اس طریقہ تفسیر کو اختیار کرے تو اس کے نتیجہ میں فرقہ پرستی کی لعنت کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس روایت پر مبنی طریقہ تفسیر مفہوم کی کثرت تعبیر کے سبب سے ذہنوں کو پراگندہ کرتا اور امت کے اختلافات کو مہمیز دیتا ہے۔ چونکہ برصغیر ہند و پاک میں جن تفاسیر پر زیادہ اعتماد ہے ان کا انحصار روایت پر ہے اور انہی کی مدد سے اردو کی بیشتر تفسیریں لکھی گئیں اس لئے ہمارے دینی حلقوں میں یہ مفروضہ راہ پا گیا کہ تفسیر وہی معتبر ہے جو روایات پر مبنی ہو۔ چنانچہ مولانا فراہیؒ کا طریقہ یہاں کے علماء کو بیگانہ نظر آیا۔ رائج طریقہ سے ہٹ کر کسی نئے طریقہ کی ممارست آسان نہیں ہوتی اس لئے فراہی کا طریقہ تفسیر کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہونا بالکل قرین فہم ہے۔ البتہ جو بات ناروا ہے وہ بعض حلقوں کا نہایت بے جا اور بلا جواز یہ الزام ہے کہ مولانا فراہیؒ کا مسلک انکار حدیث سے قریب ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں وہی لب و لہجہ اختیار کیا گیا جو فتنہ انکار حدیث کے لئے اختیار کیا گیا۔

۱۹۴۱ء میں رسالہ البیان امرتسر نے مقدمہ نظام القرآن کی بعض فصلوں کی روشنی میں مولانا فراہیؒ پر انکار سنت کا الزام عائد کیا۔ اس تحریر کو مزید رنگ دے کر رسالہ طلوع اسلام دہلی نے ایک مضمون "شاہ ولی اللہ اور قرآن و حدیث" میں سمویا اور اس الزام کی تائید میں

مولانا فراہیؒ کی مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ساتھ حدیث کے موضوع پر ایک "تکرار" کا حوالہ دیا۔ اس مضمون سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ خدا نخواستہ مولانا فراہیؒ بھی انکار سنت میں ان لوگوں کے ہم مسلک تھے۔ اس مضمون کا مفصل جواب مولانا امین احسن اصلاحی نے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے فروری ۱۹۴۲ء کے شمارہ میں شائع شدہ اپنے مضمون "مولانا حمید الدین فراہی اور علم حدیث" میں دیا۔ اس مضمون میں انہوں نے دکھایا کہ البیان نے کس طرح مولانا فراہی کی تحریروں کو مسخ کر کے اپنے معانی پہنائے اور ضعیف تفسیری روایات پر ان کے تبصرے کو پورے ذخیرۂ حدیث پر تبصرہ کی حیثیت سے پیش کیا جو ایک خلاف حقیقت بات تھی۔ اس مضمون میں مولانا اصلاحی نے مولانا سندھی کے ساتھ مولانا فراہی کی بحث کے بارے میں بھی واضح کیا کہ یہ بحث حدیث کے انکار و قبول سے متعلق نہ تھی بلکہ اخبار احاد کے بارے میں تھی جس میں بالآخر مولانا سندھی نے مولانا فراہی کا موقف سمجھ لیا تھا اور بحث ختم ہو گئی تھی۔ مجموعہ تفاسیر فراہی میں اپنے استاد گرامی کے حالات میں مولانا اصلاحی نے لکھا ہے کہ معارف میں شائع شدہ ان کے مضمون کی اشاعت کے بعد جب ان کی ملاقات مولانا سندھی سے ہوئی تو ان سے اس مضمون کا ذکر بھی ہوا جس پر انہوں نے بار بار اس بات پر تاسف کا اظہار کیا کہ طلوع اسلام کی روایت سے ان کے محبوب دوست کے متعلق بدگمانی پیدا ہوئی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن کی اشاعت کے بعد جہاں متعدد اہل علم نے مولانا کو قرآن کی اس خدمت پر مبارک باد دی کہ انہوں نے مولانا فراہیؒ کے طریقہ پر عصر حاضر کی ایک عظیم تفسیر لکھ ڈالی جو ہر غور و تدبر کرنے والے شخص کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، وہیں بعض حلقوں میں اسی قدیم الزام کی بازگشت سنی گئی کہ فراہی فکر کے ڈانڈے فتنہ انکار حدیث کے ساتھ جا ملتے ہیں۔

اس الزام کا ایک جواب تو مولانا اصلاحی کی کتاب "مبادی تدبر حدیث" اور ان کے وہ دروس ہیں جو موطا امام مالکؒ اور صحیح بخاری کی شرح میں رسالہ تدبر لاہور میں مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فکر فراہی کے منتسبین حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی مشکلات کو حل کرنے کی اسی طرح راہ ہموار کر رہے ہیں جس طرح انہوں نے قرآن کی تفسیر کے

معاملہ میں کی ہے۔ تاہم ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس فکر کے امام، مولانا فراہیؒ کے نقطۂ نظر کو وضاحت کے ساتھ بیان کر کے ان کے دامن پر سے انکارِ حدیث کے الزام کا داغ دھو دیا جائے۔

چونکہ مولانا فراہیؒ ہمہ تن قرآن مجید کی غواصی میں مشغول رہے، انہوں نے علم حدیث پر کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی۔ اگر وہ حدیث کو موضوع بناتے تو اپنے طریقہ کے مطابق وہ اس کے مطالعہ کے لئے بھی یقیناً نہایت اہم نشانِ راہ متعین کر دیتے۔ اس وقت ہمیں ان کے نقطۂ نظر کی تحقیق کے لئے ان کتابوں کا سہارا لینا ہوگا جن میں انہوں نے ضمناً حدیث پر کچھ لکھا ہے۔ اس میں کچھ مدد ہمیں مقدمہ نظام القرآن سے مل سکتی ہے، چند اشارات بعض سورتوں کی تفسیر میں ملتے ہیں اور کچھ مباحث ان کی دو کتابوں ــ اصول التاویل اور احکام الاصول میں آ گئے ہیں۔

سنت کی حیثیت

کتاب احکام الاصول میں مولانا فراہیؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت کے لئے مبعوث فرمایا تو حکمت اور اسرارِ شریعت کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل کر دی تاکہ امت اجتہاد کے قابل ہو سکے۔ اپنی عقلوں کو استعمال کرنا سیکھے اور ظاہری و باطنی دلائل سے استدلال کر سکے۔ پس حضورؐ ہمارے لئے کتاب اللہ کی تبیین کرتے تھے تاکہ ہم پر قرآن کے اشارات پر تفکر و تدبر کا منہاج واضح ہو۔"

مقدمہ نظام القرآن کی فصل بعنوان "معروف و منکر" میں لکھتے ہیں۔

"نبیؐ کی روحِ بیدار خود بھی معروف و منکر کی شناخت کا سرچشمہ ہوتی ہے جن چیزوں کے بارہ میں وحی کی رہنمائی موجود نہیں ہوتی ان میں وہ اپنے الہام سے امت کو کوئی حکم اس وقت کے لئے دیتا ہے جب تک وحی نہ آ جائے اور یہ کام اس کے منصب کا ایک فطری حصہ ہوتا ہے۔"

احکام الاصول میں انہوں نے نبیؐ کی اس بیدار روح کا سرچشمہ اس خاص نور و حکمت کو قرار دیا ہے جس کا تذکرہ سورۂ شوریٰ میں آیا ہے۔

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان

ولکن جعلناہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتہدی الی صراط مستقیم (۵۲)
[illegible]

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو قرآن مجید کی جہت مکنون کی طرف بھی رہنمائی فرمائی تھی۔ اس نے اس روح سے نبیؐ کے قلب کو زندگی بخشی اور اس نور کی ہدایت دی کہ آپؐ کو وہ علم بخشا جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھا۔ اس لئے آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کو سنت کی مستقل بنیاد سمجھا جائے گا۔"

"رسول اللہؐ کا حکم یکساں طور پر پر از حکمت ہوتا ہے، خواہ وہ کتاب اللہ کی بنیاد پر ہو یا اس نور و حکمت کے مطابق جس سے خدا نے آپ کا سینہ بھر دیا تھا۔"

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا فراہیؒ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب قرآن حکیم کی تبیین تھا۔ اس منصب کا تقاضا یہ بھی تھا کہ آپ اپنی روحِ بیدار اور اس نور و حکمت کے باعث، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، قرآن حکیم کے علاوہ اپنے طور پر احکام دے سکتے تھے، اور ان کی حیثیت وہی ہوتی جو وحی کے احکام کی ہوتی۔ یہی احکام ہیں جن سے سنتِ رسولؐ عبارت ہے۔ معلوم ہوا کہ مولانا فراہیؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح امت کے اسلاف اور ائمہ دین قائل ہوئے ہیں۔

امام فراہیؒ کا ایک نہایت اہم نکتہ جو سنت کے بارے میں ان کے نظریہ کو واضح کرتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا جو ذمہ لے رکھا ہے اس میں وہ تمام اصطلاحات شرعیہ جن کا ذکر قرآن میں ہے، مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، طواف صفا و مروہ، مسجد حرام وغیرہ شامل ہیں اور ان کا مفہوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے واضح ہوا ہے اور وہ تواتر و توارث کے ساتھ سلف سے خلف کو منتقل ہوا ہے۔ لہٰذا ان اصطلاحات کے معانی اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح حضورؐ نے ان کی تعلیم دی تھی۔ جو نماز دین میں مطلوب ہے وہ وہی نماز ہے جو مسلمان آج پڑھتے ہیں۔ حج کا مفہوم دین میں وہی ہے جو آج مسلمانوں میں رائج ہے۔ ہر چند کہ نماز کی ہیئت یا حج کے فرائض و سنن میں بعض جزوی اختلافات نظر آتے ہیں، لیکن یہ اختلافات ناقابلِ لحاظ ہیں۔ ان کا باعث یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان اعمال کی پوری تعریف اور تصویر بیان

پیدا ہوئی، اور لوگوں نے اخبار آحاد پر بے جا اعتماد کر کے ان اعمال کی الگ الگ شکلیں اختیار کر لیں۔

احکام الاصول میں اسی ضمن میں لکھتے ہیں۔

’’سلف اور ائمہ نے اپنے مذہب کی صحت کی بدولت کتاب اور سنت دونوں کو مضبوطی سے پکڑا۔ یہ نہیں کیا کہ باطل پسندوں اور ملحدوں کی طرح ان میں تفریق کر کے ایک چیز کو ترک کر دیتے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا فراہیؒ سنت کے منکرین کو باطل پر سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک دین کا صحیح تقاضا یہ تھا کہ کتاب اور سنت دونوں کو لازم پکڑا جائے۔ ان میں تفریق پیدا کرنا یا سنت کا انکار کرنا ایک ملحدانہ روش ہے۔ ایک ایسے متقی شخص کو جس کے نزدیک انکار سنت ایک ملحدانہ روش ہو، انکار سنت کا الزام دینا انہی لوگوں کو زیب دیتا ہے جن کے دل خوف خدا سے خالی ہو چکے ہوں۔

حدیث کی حیثیت

مولانا فراہیؒ کا نقطہ نظر حدیث کے بارے میں یہ ہے کہ قرآن کو اصل اور حدیث کو ایک فرع کی حیثیت دیتے ہیں اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کی صحت قطعیت کے ساتھ ثابت ہے جبکہ روایت حدیث میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ صحیح طور پر محفوظ نہ کی گئی ہو۔ مقدمہ نظام القرآن میں تفسیر کے خبری ماخذ کے تحت لکھتے ہیں۔

’’اصل و اساس کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے۔ اس کے سوا کسی چیز کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں۔ اول وہ احادیث نبویہ جن کو علمائے امت نے پایا، دوم قوموں کے وہ ثابت شدہ احوال جن پر امت نے اتفاق کیا، سوم گزشتہ انبیاء کے صحیفوں میں جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے۔ اگر ان تینوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی۔‘‘

’’ایک اور قابل لحاظ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے جو کچھ ثابت ہے اس میں اور فرع سے جو کچھ معلوم ہوا اس میں فرق کرنا چاہئے دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ قرآن میں

یقینی ہے وہ بالکل ثابت ہے اور فروع میں وہم و ظن کی بہت کچھ گنجائش ہے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ ارشادات نبویہ کو دین و شریعت کی بنیاد ماننے اور سنت کی تشریعی حیثیت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا فراہیؒ روایت حدیث کو یہ حیثیت دینے کو اس لئے تیار نہیں کہ روایت میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اور اس طرح اس میں وہم کا دخل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس سے ائمہ محدثین کو بھی انکار نہیں۔ اسی لئے تو انہیں روایات کو پرکھنے کے لئے روایت و درایت کے اصول وضع کرنا پڑے اور راویوں کی جرح و تعدیل کے لئے فنون وجود میں آئے۔ اگر روایت حدیث میں ظن و شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ان علوم و فنون میں سے کسی کی ضرورت نہ ہوتی۔

ائمہ محدثین کے نہایت ذمہ دارانہ نقطہ نظر کے برعکس موجودہ زمانے کے بعض علماء حدیث کے بارے میں جو غلو کرتے ہیں اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فراہیؒ مقدمہ نظام القرآن میں لکھتے ہیں۔

’’یہ ہمارے بعض بھائیوں کا غلو ہے کہ وہ حفاظت قرآن کی طرح حفاظت حدیث کے قائل ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخاری اور مسلم میں جو کچھ روایت ہو گیا ہے اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب متعدد روایتوں میں نہایت سخت اختلاف نقل ہوا ہے۔‘‘

’’بعض روایات ایسی بھی نقل ہو گئی ہیں جو قرآن مجید کی اصل کو ڈھانے والی ہیں۔ ایسی روایات کو قبول کرنا خود قرآن کا انکار کرنا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن کو اس کی اصل سے پھیر دیں گے لیکن روایت کی تاویل کی جرأت نہیں کریں گے۔ اسی کی خاطر بسا اوقات وہ صرف آیت کی غلط تاویل ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ اس کے نظام کی قطع و برید بھی کر ڈالتے ہیں حالانکہ جب اصل و فرع میں تعارض ہو تو کاٹنے کی چیز فرع ہوتی ہے نہ کہ اصل۔‘‘

’’بعض لوگ ایسی روایات تک قبول کر لیتے ہیں جو نصوص قرآنی کی تکذیب کرتی ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ بولنے کی روایت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف

دی قرآن پڑھ دینے کی روایت۔

ان اقتباسات کو جو شخص بھی غیر متعصب ہو کر پڑھے گا وہ یہ رائے قائم کرے گا کہ مولانا فراہی جس چیز پر معترض ہیں وہ حقیقی ارشادات نبویہ نہیں بلکہ صرف وہ روایات ہیں جو قرآن مجید سے متناقض یا اس کے منافی اور اس اصل کو ڈھانے والی یا اس کو جھٹلانے والی ہیں۔ وہ حدیث کی کتابوں میں نقل ہو جانے والی ہر روایات کے قرآن کی طرح محفوظ ہونے کے تصور کو غلو پر مبنی سمجھتے ہیں۔ یہ بات کہ بخاری اور مسلم کی تمام روایات ظن سے بالاتر نہیں ہیں کوئی نئی بات نہیں جو صرف مولانا فراہی نے کہی ہو بلکہ یہ تمام ائمہ فن کے یہاں مسلم امر ہے۔ اس آسمان کے نیچے ظن سے بالاتر واحد کتاب قرآن مجید ہے۔

اسی طرح غلو کا نتیجہ بعض فقہاء و متکلمین کا یہ خیال بھی ہے کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔ اس خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے احکام الاصول میں لکھتے ہیں۔

"امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور محدثین بالعموم حدیث کو قرآن کے لئے ناسخ نہیں مانتے اگرچہ حدیث متواتر ہو۔ جب یہ ائمہ حدیث جو حدیث کے معاملہ میں صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں اس بات کے قائل نہیں ہوئے تو ہم اس کے خلاف فقہاء و متکلمین کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ یہ ماننا کہ رسول اللہ کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے، ایک فتنہ ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اس طرح کے مواقع میں تمام تر دخل راویوں کے وہم اور ان کی غلطی کو ہے۔"

حدیث کے بارے میں یہ تو مولانا فراہی کی اصولی آراء ہیں۔ جب وہ ان اصولوں پر روایات کو جانچتے ہیں تو کثرت ایسی ضعیف روایات کو جن کی صحت پر محدثین کا کلام ہے، اس بنا پر قبول کر لیتے ہیں کہ وہ قرآن سے مطابقت رکھتی اور اس کی تصدیق و تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۂ کوثر کی تفسیر میں حوض کوثر اور کثرت امت سے متعلق متعدد روایات کو انہوں نے بعینہٖ قبول کر لیا ہے۔ آیت "فصل لربک وانحر" کے موقع نزول کے متعلق جس روایت میں امام سیوطیؒ نے غرابت ظاہر کی ہے مولانا فراہی نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام سیوطیؒ کو جن اسباب کی بدولت یہ وہم ہوا وہ غور و تامل کے بعد بے حقیقت ثابت ہوتا ہے۔ سورۂ کافرون کی تفسیر میں ایک مستقل فصل اس موضوع پر لکھی ہے کہ ہجرت سے جنگ اور براءت ہونے کا ثبوت احادیث سے

بھی ملتا ہو اور یہ موافقت قرآن کے عین مطابق ہے۔

مولانا فراہی کی کتابوں میں جا بجا ایسی تحریریں ملتی ہیں جن سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ حدیث کی تحقیق میں کن اصولوں کو مدنظر رکھتے تھے۔ ہم اس کی وضاحت کے لئے ان اصولوں کو چار عنوانات کے تحت لا سکتے ہیں۔

ا۔ احکام کی احادیث

ب۔ تفسیری روایات

ج۔ اسرائیلیات

د۔ اخبار احاد

ا۔ احکام کی احادیث۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۰۵

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ

کی روشنی میں مولانا فراہی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس معاملہ میں کوئی حکم موجود ہوتا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے کہ اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتے۔ یہ جائز نہ تھا کہ آپ کتاب اللہ کی رہنمائی کے بغیر کوئی فیصلہ صادر کر دیں۔ چنانچہ احکام کی بہت سی حدیثیں آیات قرآنی سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ وہ قرآن پر اضافہ نہیں کرتی بلکہ کسی ایسے گہرے معاملہ کی تصریح کر دیتی ہیں جو اگرچہ قرآن کی آیت میں موجود تھا لیکن تدبر نہ کرنے والے پر مخفی رہ سکتا تھا۔

مولانا فراہی نے اس موضوع پر اپنی مستقل تصنیف احکام الاصول میں یہ دکھایا ہے کہ قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کے اثبات، ترکہ میں وصیت کا حکم باقی ہونے، مقدار وصیت کے ایک ثلث مال تک محدود ہونے، خالہ اور پھوپھی کے محرمات میں سے ہونے اور ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہونے کی احادیث قرآنی نصوص سے کس طرح مستنبط ہیں۔ اسی طرح حضورؐ نے ماعز اسلمی کو جو رجم کر دیا وہ سورۂ مائدہ کی آیت محاربہ سے مستنبط تھا۔ مولانا پورے اطمینان سے لکھتے ہیں کہ مجھے احکام کی بیشتر احادیث کی بنیادیں قرآن میں تلاش کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔

اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں کہ بسا اوقات حضورؐ خود اس بات کی تصریح فرما دیا کرتے کہ

میرا یہ حکم فلاں آیت سے ماخوذ ہے۔ جہاں آپ نے اس طرح کی تصریح نہیں فرمائی وہاں غور و تدبر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے کن آیات کی روشنی میں کوئی حکم دیا۔ اس کے بعد مولانا فراہی یہ اصول قائم کرتے ہیں کہ اگر کسی حکم کا ماخذ قرآن میں متعین نہ کیا جا سکے اور حدیث کا حکم قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس پر اضافہ ہو تو یہ اضافہ اس بنا پر قبول کر لیا جائے گا کہ وہ اس نور و بصیرت کا نتیجہ ہے جو حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص عطا ہوئی تھی۔ ایسے احکام کو سنت میں مستقل اصل قرار دیا جائے گا کیونکہ ہمیں اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ احکام کی ایسی روایات جن کی بنیاد نہ قرآن میں ملتی ہو اور نہ اس اضافہ کا قرآن متحمل ہوتا ہو، اور وہ قرآن کے نصوص کے خلاف ہوں یا ان کے ماننے سے قرآن کا جلی یا خفی نسخ لازم آتا ہو، ان کو ترک کرنا ضروری ہوگا کیونکہ ان کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درست نہیں۔ ان احکام کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔

ب۔ تفسیری روایات

مولانا فراہی قرآن کی تفسیر میں حدیث رسولؐ اور آثار صحابہؓ کو وہی اہمیت دیتے ہیں جو ہمیں دیگر ائمہ کے ہاں نظر آتی ہے لیکن تفسیری روایات کے ضعف کے بھی وہ اسی طرح قائل ہیں جس طرح خود محدثین قائل ہیں اور یہ بات تو زبان زد عوام ہے کہ تفسیر، مغازی اور فضائل کی حدیثوں پر اس طرح کام نہیں ہوا جیسا کام محدثین نے باقی ذخیرہ حدیث پہ کیا ہے۔

مولانا اپنا موقف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے مبین و مفسر تھے۔ اس لیے شرائع ہوں یا عقائد، آپ کی تاویلات ایک مفسر کے لیے علم کی مضبوط ترین بنیاد ہیں۔"

"پہلی چیز جو قرآن کی تفسیر میں مرجع کا کام دے سکتی ہے، خود قرآن ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے۔ پس میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہی تفسیر ہے جو پیغمبرؐ اور صحابہ سے مروی ہو۔"

اس کے بعد وہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول آثار کو بالعموم نظم قرآن سے قریب تر بتاتے ہیں۔ پھر اپنے طریقۂ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے تاہم میں روایات کو اصل نہیں بلکہ بطورِ تائید پیش کیا کرتا ہوں۔ پہلے آیت کی تاویل مماثل آیات سے کرتا ہوں، اس کے بعد ثبوتاً احادیث صحیحہ کا ذکر کرتا ہوں تاکہ ان کے منکرین کو معارضہ کی راہ نہ ملے جنہوں نے [illegible] ڈال دیا ہے۔"

حدیث کو اصل نہ ماننے کی وجہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ احادیث میں صحیح و سقیم کی تمیز ایک مشکل کام ہے اور دین کی بنیاد کسی غلط روایت پر رکھنا بے حد خطرناک ہے۔ لہٰذا وہ مصر ہیں کہ دین کے ہر معاملہ کی بنیاد قرآن کی نصوص ہی پر قائم کرنی چاہیے۔ کتاب اصول التاویل میں لکھتے ہیں۔

"قرآن کو سمجھے بغیر اگر آپ حدیث کی طرف دیوانہ وار رجوع کریں جبکہ اس میں صحیح و سقیم دونوں طرح کی روایات ملی ہوئی ہیں تو دل میں کوئی ایسی رائے بیٹھ جاتی ہے جس کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی وہ قرآن کی ہدایت کے مخالف بھی ہوتی ہے۔ اس کی بنا پر آپ تاویل قرآن میں کسی سقیم حدیث پر اعتماد کر لیتے ہیں اور اس طرح حق باطل کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ قرآن سے ہدایت حاصل کریں، اسی پر اپنے دین کی بنیاد رکھیں۔ اس کے بعد احادیث پر غور کریں۔ اگر بادی النظر میں ان کو قرآن سے بیگانہ پائیں تو ان کی تاویل کتاب اللہ کی روشنی میں کریں۔ اگر مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو قرآن پر عمل کرنا اور حدیث کے معاملے میں توقف کرنا ضروری ہے۔ اس طرزِ عمل کی بنیاد یہ ہے کہ ہمیں پہلے اللہ کی اطاعت کا اور پھر رسولؐ کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کلام کو رسول اللہ کے کلام پر مقدم رکھا جائے تو اس نے حکم میں ترتیب کیوں قائم کی؟"

مولانا کے نزدیک تفسیری روایات کا باہم اختلاف ان کو بے سوچے سمجھے قبول کرنے میں مانع ہے۔ دور صحابہ میں تاویل کا جو اختلاف ہوا اس کی نوعیت تو یہ تھی کہ ایک ہی مضمون کو مختلف الفاظ میں ادا کر دیا گیا لہٰذا آدمی ان میں سے جس تاویل کو لے لے وہ حقیقی مدعا سے دور نہیں جا پایا۔ بعد کے ادوار میں ضعیف روایات کی کثرت ہوئی اور لوگوں نے تفسیر میں ان پر اعتماد

کر دیا تو کتب تفسیر یہود ونصاریٰ اور وضع حدیث کرنے والے دجالوں کی روایات سے بھر گئیں۔ (اصول التاویل)۔ تفسیری روایات کے اختلاف کی وضاحت مقدمہ نظام القرآن میں یوں کرتے ہیں

"مثال کے طور پر فصل لربک وانحر کی تفسیر میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ان کے نزدیک نحر سے مراد نماز کی حالت میں سینے پر ہاتھ رکھنا ہے۔ انہی حضرت علیؓ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے نحر کی بابت پوچھا کہ قربانی کیسے کرنی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قربانی کا حکم نہیں بلکہ نماز میں رفع یدین کا حکم ہے۔ ابن عباسؓ کا قول روایات میں یوں آیا ہے کہ اس آیت میں عیدالاضحیٰ کے دن واجب نماز اور قربانی کا ذکر ہے جبکہ ابن مردویہ نے انہی ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نحر سے مراد نماز میں رفع یدین کرنا ہے۔"

"لفظ کوثر اور لفظ فلق کے معانی میں بھی اسی طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایسی متناقض روایات نقل ہوئی ہیں جن سے اطمینان حاصل ہونے کی کوئی سبیل نہیں۔ جو پیاسا ان سے اپنی پیاس بجھانا چاہے گا تو یہ اس کی پیاس میں اور اضافہ کریں گی اور جو ان کی طرف مائل ہوگا اس کی پریشانی دوچند کر دیں گی۔"

ج۔ اسرائیلیات

اہل کتاب کی جو روایات حدیث کی کتابوں میں آگئی ہیں ان کے بارے میں مولانا فراہی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مفسرین نے بالعموم ان کو ایسے لوگوں سے نقل کیا ہے جو بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے۔ ان میں بیشتر بے اصل افسانے ہیں جو اہل کتاب کی معتبر کتابوں سے ثابت نہیں ہوتے۔ لہٰذا اہل کتاب سے متعلق امور کا حوالہ دینے کے لئے اسرائیلیات پر اعتماد کرنے سے بہتر ہے کہ ان کی معتبر کتابوں کو ماخذ بنایا جائے۔ اگر وہ قرآن کے موافق ہوں تو ان کو قرآن کی تائید میں پیش کیا جائے اور اگر مختلف ہوں تو ان کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ ان کتابوں میں حق کو چھپایا گیا ہے۔ لازم ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے اس کو اصل مانا جائے۔

د۔ اخبار آحاد

عملی طور پر سنت رسولؐ اور تعامل صحابہ کی پیروی پر زیادہ زور دیتے ہیں اور خبر واحد کی بنا پر تقلید اور فرقہ آرائی کو پسند نہیں کرتے۔ مقدمہ نظام القرآن میں لکھتے ہیں۔

"جب ایسے الفاظ مصطلحہ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری حد اور تصویر قرآن میں بیان ہوئی ہو تو اخبار احاد پر جامد نہیں ہونا چاہئے ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شک میں پڑو گے، دوسروں کے اعمال کو غلط ٹھہراؤ گے، ان سے جھگڑو گے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جو آپس کا فیصلہ کر سکے۔ ایسی صورتوں میں راہ عمل یہ ہے کہ جتنے حصہ پر امت متفق ہے اتنے پر اکتفا کر دو اور جن چیزوں کے بارے میں کوئی نص صریح اور متفق علیہ عمل ماثور موجود نہیں ہے ان میں اپنے دوسرے بھائیوں کا تخطیہ نہ کرو۔"

شرح موطا کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

"سنت سلف متصل است تا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و متواتر است۔ و احاد خبر محتمل صدق و کذب و خطاء فہم و تبدیل در ادائے خبر ست و طریق امام مالک و ابو حنیفہ اعتماد بر سنت است کہ از تابعین در یافتہ بودند۔ بعد ازاں سنت خود تغیر یافت و اعتماد علماء بر اخبار و روایات باقی ماند۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا فراہی خبر واحد پر انحصار کو اس لئے صحیح نہیں سمجھتے کہ اس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال موجود رہتا ہے۔ نیز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ راوی نے بات کو ٹھیک ٹھیک یا زیادہ مفہوم کو درست طور پر ادا کر پایا یا نہیں۔ اس کے برعکس تعامل صحابہ و تابعین پر اعتماد جو امام مالک کا طریقہ ہے یا اجتہاد کی راہ اختیار کرنا جو امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے، مولانا کے نزدیک زیادہ قرین صواب تھا۔ اور یہی وہ موضوع تھا جس پر مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ ان کی وہ بحث ہوئی جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

تحقیق حدیث کا منہاج

روایت کو رد یا قبول کرنے میں مولانا فراہی کے پیش نظر جو اصول ہوتے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اصل اساس کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے۔

۲۔ سنت ثابتہ منصب رسالت کا ایک قدرتی جزو اور شریعت کی ایک مستقل بنیاد ہے۔ قرآن اور سنت میں تفریق کرنا ایک ملحدانہ روش ہے۔

٣۔ حدیث کی حیثیت ایک فرع کی ہے جس کا باعث اس کی روایت میں ظن کا دخل ہے۔

٤۔ ان روایات کو قبول کرنا جائز نہیں جو اصل کے خلاف اور نصوص قرآن کی تکذیب کرتی ہوں۔

٥۔ قرآن کی تصدیق و تائید کرنے والی تمام روایات قابل قبول ہیں۔

٦۔ قرآن اور حدیث کے درمیان اختلاف کی صورت میں حکم قرآن ہوگا۔

٧۔ خبر اگرچہ متواتر ہو، قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ ظن کی بنیاد پر نسخ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ کرنے کا اصل کام قرآن کے ساتھ سنت کی تطبیق ہے۔

تحقیق حدیث کے لئے مولانا فراہی روایت کو ان اصولوں پر پرکھتے اور روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے حدیث کا درجہ متعین اور اس کے رد و قبول کا فیصلہ کرتے۔ مثال کے طور پر سورۂ عبس کے شان نزول کی روایات میں سے حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، مجاہدؒ اور ضحاکؒ کی روایات پر انہوں نے جو تبصرہ کیا ہے اس میں حسب ذیل پہلوؤں سے تحقیق کی ہے۔

ا۔ ان سب روایات کی سند ضعیف ہے۔

ب۔ ان کا دیا ہوا تاثر قرآن کے ارشادات کے منافی ہے۔

ج۔ روایات میں باہم اس قدر اختلاف ہے کہ ان کی حیثیت اوہام کی ہو کے رہ گئی ہے۔

د۔ ابتدائی راویوں میں سے کوئی بھی خود شریک واقعہ نہ تھا لہٰذا یہ روایات خبر کا فائدہ نہیں دیتیں

ہ۔ ان کو قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غیب دانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ روایت اگر صحیح ہوتی تو اس سے غلط نتائج پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔

اس بحث کے بعد مولانا نے مجاہدؒ کی ایک روایت کو اختیار کیا ہے جس پر یہ اعتراضات وارد نہ ہوتے تھے۔

سورۂ فیل کی تفسیر میں ابرہہ سے عبدالمطلب کی ملاقات کی روایات پر مولانا نے یوں تبصرہ کیا ہے۔

ا۔ یہ روایات از روئے سند قابل اعتماد نہیں۔ یہ ابن اسحاق پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور ابن اسحاق یہود اور غیر ثقہ راویوں سے روایت لے لیتے ہیں۔

ب۔ اس موضوع پر موجود دوسری روایات سے ان روایات کی تردید ہوتی ہے۔

ج۔ [illegible] کا معروف کردار وہ نہیں ہے جو ان روایات سے سامنے آتا ہے۔

د۔ یہ روایات دشمنوں کی وضع کردہ معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ان میں عربوں کی غیرت و حمیت کی تحقیر [illegible] عبدالمطلب کی توہین پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ابرہہ کا کردار نہایت شاندار بتایا گیا ہے جو حقیقت کے خلاف ہے۔

ان تبصروں سے معلوم ہوا کہ مولانا فراہی تحقیق روایت میں سند کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملاحظہ فرماتے کہ وہ قرآن کے اشارات کے موافق ہے یا مخالف۔ وہ راوی کے متعلق یہ تحقیق کرتے کہ وہ خود شریک واقعہ تھا یا محض شنید پر مبنی معلومات دے رہا ہے، وہ درایت کے اصولوں کو استعمال کرتے ہوئے دیکھتے کہ روایت معروفات کے خلاف تو نہیں اور اس سے قرآن کے کسی اصول پر تو زد نہیں پڑتی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث کے ساتھ مولانا کا معاملہ کسی درجہ میں بھی سوء ظن اور انکار کا نہیں ہے بلکہ اہل تحقیق کے عام طریقہ کے مطابق وہ روایت پر تنقید کرتے ہیں۔ اس کی تاویل قرآن کے موافق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، قرآن کے ساتھ اس کو تطبیق دینے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ روایات میں تضاد ہو تو ان میں بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اگر کسی روایت کو قرآن کے نصوص کے متناقض سمجھتے ہیں تو اس کو بکثرت دلائل دے کر رد کرتے ہیں ورنہ اس کے بارے میں توقف کرتے ہیں کیونکہ بہر حال قرآن اصل اور حدیث اس کی فرع کے درجہ میں ہے۔

ذمہ داران مدارس اور اہل علم کی خدمت میں

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح ۲ اکتوبر ۱۹۹۰ء [illegible] "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" کے عنوان پر ایک سیمینار منعقد کرنے جا رہی ہے، موضوع کی اہمیت کی بنا پر یہ سیمینار وقت کی اہم ضرورت ہے اور آپ کی خصوصی توجہ کا طالب ہے، لہٰذا درخواست ہے کہ موضوع کے ہر پہلو پر غور فرمائیں اور ہمیں یہ بتانے کی زحمت کریں کہ اس عنوان کو وقت اور حالات کے تقاضے کے تحت زیادہ سے زیادہ مفید اور مؤثر کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی تجاویز اور مشوروں سے ضرور ہمیں باخبر کریں گے۔

[illegible]
سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج (اعظم گڈھ) یو پی ۲۷۶۱۲۱ فون نمبر

"مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں مولانا مودودیؒ کی دعوت پر پاکستان آئی اور مجھے ۱۰ برس تک ان کی پدرانہ شفقت حاصل رہی۔"

مولانا مودودیؒ اس صدی میں سب سے زیادہ خدمتِ اسلام کرنیوالے راہنما تھے

عالمِ اسلام کی عظیم خاتون دانشور محترمہ مریم جمیلہ سے خصوصی گفتگو

خصوصی انٹرویو — عباس اختر اعوان

۱۹۶۲ء کے اوائل کی بات ہے ایک ۲۸ سالہ نوجوان امریکی خاتون نیویارک سے تن تنہا عازمِ پاکستان ہوئیں اور ایک یونانی بحری جہاز کے ذریعے چھ ہفتے مسلسل سفر جاری رہنے کے بعد اسکندریہ، پورٹ سوڈان اور جدہ سے ہوتے ہوئے کراچی پہنچیں تو مخلص اور ایمانی تعلق رکھنے والے بھائی اور بہنیں بڑی تعداد میں استقبال کرنے کو موجود تھے۔ یہ جماعتِ اسلامی کے کارکن تھے جنہوں نے عہدِ حاضر میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام پر اپنے وطن، والدین اور اعزہ کو چھوڑ کر پاک سرزمین کی طرف ہجرت کرنے والی اپنی نومسلم بہن کا اس طرح پرجوش خیر مقدم کیا جیسے وہ اپنی ہی بہو بیٹی کا استقبال کر رہے ہوں یہ ۲۸ سالہ نومسلم خاتون محترمہ مریم جمیلہ تھیں۔ جو بعد ازاں ۳۳ کتابوں کی مصنفہ اور عالمِ اسلام کی عظیم دانشور قرار پائیں، وہ ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ والد ہربرٹ مارکس ثانی اور مگریٹ والدہ جرمن نژاد یہودی تھے۔ ان کے اجداد کسی زمانے میں بہتر معاش کی تلاش میں امریکہ آ گئے

تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ امریکہ کے اندر آباد یہودیوں کی اکثریت روسی النسل ہے جنہیں مار مار کر روس سے نکالا گیا تھا مگر مریم جمیلہ (سابق مارگریٹ مارکس) کا خاندان ان یہودیوں میں شامل تھا جو اپنی مرضی سے اپنے وطن سے نکلے مریم جمیلہ اپنے والدین کی دوسری بیٹی تھیں۔ قبولیتِ اسلام کی منزل تک پہنچنے کے لئے انہیں کئی مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ سنڈے اسکول کے بعد وہ اصلاح پسند یہودیوں کی ایک تنظیم سے وابستہ ایک اسکول میں زیرِ تعلیم رہیں۔ بعد ازاں نیویارک یونیورسٹی میں داخل ہوئیں مگر ان کی علالت کے باعث [illegible] تعلیم منقطع ہو گئی۔ اصلاح پسند یہودی تحریک سے بھی منسلک ہوئیں مگر عنفوانِ شباب ہی میں اس سے متنفر ہو گئیں۔ پھر بہائی تحریک سے رابطہ ہوا مرزا محمد مہراب اس کے سربراہ تھے سال نہ گزرنے پایا تھا کہ اس فرقے کی قدر و منزلت بھی دل سے جاتی رہی۔ پھر تحریکِ صیہونیت کی ممبر بن گئیں جس کا نام "مزراحی ہاتزیر" تھا جلد ہی اس سے بھی تعلق منقطع ہو گیا۔ عیسائیت کا مطالعہ کیا تو بائبل بے ہنگم کہانیوں کے بے ربط مجموعے کے سوا کچھ دکھائی نہ دی۔ مطالعے کی یہ وسعت بالآخر انہیں منزلِ اسلام تک لے آئی انہوں نے محمد مارماڈیوک پکتھال کا ترجمہ قرآن، محمد اسد کی خود نوشت سوانح حیات "Road to MAKKAH" اور "Islam at the road crosses" کا مطالعہ کیا، امام غزالی کی احیائے علوم الدین، مقدمہ ابنِ خلدون، الہدایہ اور علامہ اقبالؒ کی نظمیں پڑھیں، مولانا مودودیؒ کی کتابیں رسالہ دینیات، اسلام کا نظریہ حیات، اسلامی ریاست اور اسلام اور قومیت بھی زیرِ مطالعہ رہیں۔ اس کے بعد اسلام اور مغربی تہذیب پر خود بھی مضامین لکھنے شروع کر دیے جو برطانیہ، ترکی، سوئٹزرلینڈ، جنوبی افریقہ، سیلون، انڈیا اور پاکستان کے انگریزی جرائد میں بھی اشاعت پذیر ہوئے۔ اس کے بعد ان کا حلقہ تعارف پھیلتا چلا گیا۔ مارگریٹ مارکس نے عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں علماء سے بھی روابط کئے چنانچہ اسی دوران میں الجزائری علماء کے قائد شیخ ابراہیمی، ڈاکٹر محمد

ابہار الازہری (مصر)، ڈاکٹر محمد لطیف جالا (واشنگٹن) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)، ڈاکٹر سعید رمضان (ڈائریکٹر اسلامک سینٹر جنیوا) اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے مراسلت رہی۔ مولانا مودودیؒ کے نام اپنے مکتوب میں انہوں نے لکھا تھا:۔

"میں ایک ۱۹ سالہ امریکی لڑکی ہوں اور دنیا کے واحد سچے آخری اور واحد اسلام سے اس قدر دلچسپی رکھتی ہوں کہ میں اب اپنا آبائی مذہب "یہودیت" ترک کرکے اسلام قبول کرلینا چاہتی ہوں۔"

مارگریٹ مارکس کا مولاناؒ کے نام یہ اولین خط تھا جو ۵ دسمبر ۱۹۶۰ء کو لکھا گیا تھا۔ مولاناؒ نے ان کے اسلام کی طرف آنے کے سفر میں ان کی حوصلہ افزائی فرمائی جس کے نتیجے میں وہ ۲۴ مئی ۱۹۶۱ء کو اسلام کی پناہ میں آگئیں۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مسلم خاتون کے طور پر اپنا تشخص برقرار رکھنے میں امریکی سوسائٹی میں ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ صدر درجہ صبر شکن تھیں۔ چنانچہ ان حالات و عواقب کا اظہار ایک دوسرے مکتوب میں مولاناؒ پر کیا تو مولاناؒ نے فرمایا تھا:۔

"جس سوسائٹی میں آپ رہ رہی ہیں وہاں ایک ایسی عورت کی حیثیت میں آپ کو کبھی قبول نہیں کیا جائے گا جو حیثیت (بحیثیت مسلمان) آپ کے پیش نظر ہے بلکہ آپ کی ہر خوبی کو خامی تصور کیا جائے۔"

آگے چل کر مولاناؒ نے انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی اور ایک بیٹی کے طور پر ان کے مستقبل کی تمام ذمہ داریاں ادا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ چند ماہ بعد وہ پاکستان آگئیں۔ یہیں ایک مخلص رکن جماعت اور نائب قیم جماعت اسلامی لاہور جناب محمد یوسف خان سے شادی ہوگئی۔ مریم جمیلہ دو بیٹیوں اور دو بیٹوں کی والدہ ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو تحریک اسلامی کا کارکن بنانے کے عزم کا اظہار اور اس کے لئے دعائیں کیا کرتی تھیں۔ ان کی یہ دعائیں رائیگاں نہیں گئیں۔ ان کے دونوں بیٹے اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم کارکن رہے۔ ان میں سے ایک ابھی چند روز پیشتر محاذ افغانستان سے آئے ہیں۔ انہی کی طرح

بیٹیاں بھی اسلامی جمعیت طالبات سے منسلک ہیں۔

مریم جمیلہ ۳۲ کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ ان کی تصانیف اور تالیفات میں سے چند اہم کے نام یہ ہیں۔ بچپن اور شباب کی یادیں، دعوت اسلام، والدین کے نام خطوط، میں اسلام سے کیونکر متاثر ہوئی؟ اسلام اور جدید انسان (دو حصے)، مغربیت اور انسانی بہبود، اسلام بمقابلہ مغرب، اسلام اور جدت پسندی، اسلام بمقابلہ اہل الکتاب، ماضی اور حال کے آئینے میں، اسلام اور جدید ازم، اسلام۔ ایک نظریہ، ایک تحریک، کیا مغربی تہذیب آفاقی ہے؟ شیخ عثمان دان فودیو (مغربی افریقہ کا عظیم مجاہد)، ماضی قریب میں عالم عرب کی عظیم اسلامی تحریکیں، شیخ حسن البناؒ اور اخوان المسلمون، ترکی کی عظیم اسلامی تحریک، مولانا مودودیؒ اور مریم جمیلہ کے درمیان خط و کتابت، اسلام فیس ٹو فیس وودی کرنٹ کراسس، اسلامک کلچر ان تھیوری اینڈ پریکٹس، ہوم ان پاکستان ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء، اسلام ان تھیوری اینڈ پریکٹس، اسلام اینڈ ویسٹرن سوسائٹی، اے ٹچی لائف ان اسلام وغیرہ۔ امریکی شہریت رکھنے والی یہ خاتون قبول اسلام کے بعد اول روز سے امریکی اور یورپی تہذیب سے برسر پیکار ہیں۔ یہ جنگ نسل نو کے تحفظ اور اسلام کے دفاع کے لئے ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ حکومت پاکستان اسلام اور پاکستان کی اس عظیم خدمت گار سے لاتعلق رہی ہے۔ سیکولر نظریات کے حامل مصنفین کی حوصلہ افزائی تو کی جاتی رہی مگر اسلام کے لئے کام کرنے والی نومسلم خاتون کو نہ سرکاری سطح پر کوئی سند، تمغہ یا اعزاز دیا گیا اور کسی ادبی تنظیم نے اس جانب توجہ دی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مغرب سے نکل کر آنے والی ایک خاتون تو مغربی تہذیب سے برسر پیکار ہے اور ہم ابھی تک اس کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حکومتی سطح پر صرف ایک بار ان سے رابطہ کیا گیا تھا اور وہ یوں تھا کہ یحییٰ خاں کی حکومت کے دوران میں ایک اعلیٰ افسر نے ان سے کہا کہ ہم اسلام کے لئے آپ کی رضاکارانہ خدمات کی قدر کرتے ہیں۔

محترمہ مریم جمیلہ کی تصانیف دنیا کے مختلف حصوں میں پڑھی جا رہی ہیں۔ یہ تاریخ اسلام کی منفرد مثال ہے کہ یہودیت سے اسلام کی جانب آنے والی ایک خاتون نے اسلام کی خدمت، دفاع اور اشاعت و فروغ کے لیے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ حقانیت اسلام کی پیامبر ہی نہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کے خلافِ اسلام عزائم کا "پوسٹ مارٹم" بھی کر رہی ہیں۔ ان کی خدمات کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آج سے گیارہ برس قبل موجودہ امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد ملائشیا کے دورے پر گئے تو انہیں بتایا گیا کہ ملائشیا میں تحریک اسلامی سے تعلق رکھنے والی خواتین اور طالبات کی بڑی تعداد محترمہ مریم جمیلہ کی کتب سے متاثر ہیں۔ وہاں ان کی کتب بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور ملائشیا کی خواتین کی شدید خواہش ہے کہ مریم جمیلہ ان کے ہاں آ کر رہیں تاکہ وہ براہ راست ان سے استفادہ کر سکیں۔

محترمہ مریم جمیلہ قریب ۴۰ برس سے لاہور کی ایک قدیم بستی اسلام پورہ میں مقیم ہیں۔ ان سے "ایشیا" کے لیے مفصل انٹرویو لیا گیا۔ جب انٹرویو کے لیے ہم ان کے ہاں حاضر ہوئے تو وہ پردے کی اوٹ میں بیٹھی ہوئیں، اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا کے ایک راہنما سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ ترجمانی کے لیے جناب محمد یوسف خان بھی موجود تھے۔ ہمارے سوالات مفصل گفتگو کے متقاضی تھے جو ایک نشست میں ممکن نہ تھی۔ چنانچہ تحریری اور زبانی، دونوں صورتوں میں ہونے والے سوال و جواب کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

سوال: آپ کے بچپن، تعلیم اور بعد کے دور (قبول اسلام سے قبل) کی سرگرمیاں کیا تھیں؟ ہم ممنون ہوں گے اگر آپ تفصیل سے ان کا تذکرہ فرمائیں۔

جواب: میرا بچپن سے شباب تک سارا عہد نیویارک میں گزرا۔ خالص امریکی تہذیب

اور پروقار رہا۔ شرقی مقام کا حامل میرا گھرانہ جرائم سے دوری، کامیاب ازدواجی زندگی، نوجوان نسل کی اخلاقی صحت اور خاندان کی باہمی محبت اور دلچسپی کے حوالے سے معروف تھا۔ مجھے بچپن ہی سے اہم اور بڑے بڑے کام کرنے کا شوق تھا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ اپنی موت سے پہلے مجھے یہ یقین حاصل ہو جائے کہ میری زندگی بے مقصد اور گناہوں کے کاموں میں نہیں گزری۔ یہ میرے بچپن ہی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ والد نے یہ کہہ کر پریشان کر دیا کہ زندگی کی کوئی قدر ناگزیر اور دیرپا نہیں، خود کو وقت کے سانچے میں ڈھال لو، یہی کامیابی کا راز ہے۔ میں اس زمانہ میں موت سے بہت خوف کھاتی تھی، بعض اوقات خواب دیکھ کر رات کے وقت اٹھ کر والدین کو جگا دیتی کہ میں کس طرح مروں گی اور موت کے بعد کیا ہوگا۔ وہ موت کے ناگزیر ہونے کی بات کرتے اور ساتھ ہی یہ امید بھی دلاتے کہ جدید سائنس کی ترقی کے باعث میری عمر ۱۰۰ برس بھی ہو سکتی ہے۔ مگر یہ میری طلب اور تلاش نہ تھی۔ مجھے یہ حقیقت صرف قرآن سے حاصل ہوئی کہ عمل صالح کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اس کا بدلہ اس دنیا میں نہ مل سکے مگر آخرت میں یہ عمل ضرور ثمر بار ہوگا۔

بچپن میں موسیقی کا بہت شوق تھا۔ بالخصوص وہ گانے جو مغرب میں بلند ثقافت کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ سکول میں بھی میرا پسندیدہ مضمون موسیقی تھا جس میں اکثر اچھے نمبر مل جاتے۔ ۱۱ برس کی عمر میں ایک روز ریڈیو پر عربی گانا سنا تو اس قدر پسند آیا کہ اسے دوبارہ سننے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد میرے دل میں مغربی موسیقی کی قدر باقی نہ رہی چنانچہ میں نے اپنے والدین کو تنگ کرنا شروع کر دیا کہ عربی موسیقی کے ریکارڈ لا دیں۔ چنانچہ ایک روز اپنے والد کے ساتھ نیویارک کے شامی محلے سے بہت سے عربی ریکارڈ خرید لائی۔ ان میں ایک ام کلثوم کا ریکارڈ بھی تھا جس میں سورۂ مریم کی تلاوت تھی۔ اس کی سریلی آواز میرے لیے بہت کشش کا باعث ثابت ہوئی (اس وقت ام کلثوم کے بارے میں اندازہ نہ تھا کہ اس کا مستقبل کس قدر تاریک ہے)۔

میں نے تعلیم پبلک اسکولوں سے پائی۔ مجھے یہودی تاریخ سے گہری دلچسپی تھی مگر

یہودیوں کا اپنے دین سے عدم سنجیدگی میرے لئے باعث تکلیف ہوتی۔ وہ عبادت خانے میں عبادت کے دوران میں بھی کتابوں سے نکال نکال کر واحیہ تراشے پڑھتے رہتے۔ خود میرے گھر کا ماحول دین سے دور تھا۔ جب میں سنڈے اسکول میں تھی میری بہن اسکول جانے پر مشکل ہی سے آمادہ ہوتی۔ حتیٰ کہ والدین نے ہمارا اسکول بدل دیا۔ اس کے بعد ایک اصلاحی تنظیم کے اسکول میں داخلہ ہوا یہاں سے ۱۵ سال کی عمر میں فارغ ہوئی۔ جن اسکولوں میں میں نے تعلیم پائی وہاں نظم و ضبط تو مثالی تھا لیکن مذہب سے لگاؤ نہ تھا۔ ادب، تاریخ، سائنس، آرٹ اور موسیقی کے بارے میں ہر چیز سیکھی جا سکتی تھی مگر مذہب کے بارے میں کچھ نہ بتایا جاتا۔ تاہم میں نے اپنے والدین کی حوصلہ افزائی، اپنے تجسس اور مطالعے کی بدولت سب کچھ سیکھ لیا۔ ۱۸ برس کی عمر میں نیویارک یونیورسٹی میں تھی کہ بیماری نے سلسلہ تعلیم منقطع کر دیا۔ مرض کی طوالت نے تعلیم کا یہ سلسلہ دوبارہ استوار نہ ہونے دیا۔

میرا بچپن بڑی سہولتوں اور مسرتوں سے بہرہ ور رہا مگر بلوغت شروع ہوئی تو عام لڑکیوں کے برعکس میں نے میل جول سے احتراز برتا اور ہر اس چیز سے نفرت کرنے لگی جسے میں سوقیانہ، غیر سنجیدہ، سطحی اور مصنوعی تصور کرتی تھی۔ تھیٹر، سینما، ریڈیو، ٹی وی سے دلچسپی نہ رہی موسیقی، رقص، آرٹ اور مغربی فرنیچر سے کوسوں دور رہی اور دولت کی نمائش سے ہر ممکن احتراز برتا۔ اپنے انہی رجحانات کی بدولت میں آغاز شباب سے ۲۸ سال کی عمر تک پاکستان آنے تک امریکہ میں معاشرتی اعتبار سے غیر موزوں رہی۔ جب میرے ہم جماعت فیشن ایبل ملبوسات، زیورات، آرائش و زیبائش، مخلوط پارٹیوں، مخلوط رقص اور مخلوط ٹورز TOURS اور رومان میں مگن رہتے تھے میں ان سے قطعی طور پر محترز رہی۔ نہ صرف اپنے دامن عصمت کو ہر آلودگی سے بچائے رکھا بلکہ جنس مخالف سے ہر قسم کے تعلق سے دور رہی۔ شراب اور سگریٹ نوشی بھی کبھی نہ کی اور ہر ممکن طور پر سیدھا سادا نسوانی شرم و حیا کے مطابق لباس پہنتی۔ میں ایک سنجیدہ دل و دماغ کی دوشیزہ تھی جو ہر وقت کتابوں کے ڈھیر میں مگن رہتی۔

اپنے انہی رجحانات کی بدولت میں نے کوئی ملازمت بھی حاصل نہ کی۔ اور یوں میں اس لادین مادہ پرست تہذیب میں اپنے وجود کے امکانات کم تر کرتی چلی گئی خود میرے اہل خاندان کی خواہش تھی کہ میں دبلی پتلی اور نازک اندام بننے کے لیے مناسب غذا استعمال کروں اور اپنی آرائش و زیبائش کے ذریعے اپنے اندر دلکشی پیدا کروں لیکن یہ سب کچھ میری فطرت کے برعکس تھا۔ میں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرز فکر و عمل کے ساتھ میرے لیے امریکہ کے اندر کوئی گنجائش نہ تھی چنانچہ قدرت مجھے پاکستان لے آئی۔ اگرچہ پاکستانی فضا بھی مغرب سے متاثر ہو رہی ہے تاہم یہاں نیک مسلمانوں کی کمی نہیں ہے اور ان لوگوں کے باعث یہاں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کا ماحول میسر آ جاتا ہے۔ میں بعض اوقات اسلام کے تمام تر مقتضیات کی تکمیل نہیں کر پاتی، چنانچہ فوری طور پر اس کے ازالے کی تدبیر کرتی ہوں۔

۲۷ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تو پاکیزہ لباس اختیار کر لیا۔ لپ اسٹک اور دوسرے غازے جو والدین کی دلجوئی کے لئے استعمال کرتی تھی وہ بھی ترک کر دیئے۔ امریکہ میں اپنے ماحول کے شدید دباؤ کے باعث برقعہ استعمال نہ کر سکی تاہم پاکستان پہنچ کر برقعہ کا استعمال بھی شروع کر دیا۔ اب تو حالت یہ ہے کہ برقعہ کے بغیر خود کو عریاں محسوس کرتی ہوں۔ اسلام کی دوسرے مذاہب پر برتری کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ یہ بے حیائی و بدکاری ہی نہیں اس کے اسباب کو بھی ختم کرتا ہے۔ میرے لئے تمام زندگی کا سب سے بڑی مسرت انگیز چیز یہ رہی کہ اسلام میں نسوانی کردار کی وہ صفات بھی اور وہ منزلت باقی ہے جنہیں مغرب میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

سوال: اسلام کی جانب رغبت کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: میں بچپن ہی سے عربوں کے متعلق کتابوں کی بڑی شائق تھی جو کچھ ملتا پڑھ ڈالتی عربوں سے دلچسپی کی اصل وجہ ان کے اور یہودیوں کے درمیان گہرے تاریخی روابط تھے اور میں اسلام کو عربوں کا مرہون احسان سمجھتی تھی۔ مگر بعد ازاں ان تعلیمات کا مطالعہ

اس کے برعکس ہے۔ اس کے بعد اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا شوق ہوا۔ اور اس طرح میں بتدریج اسلام سے قریب اور یہودیت سے دور ہوتی گئی۔ ۲۰ سال کی عمر میں نیو یارک یونیورسٹی میں میرا اختیاری مضمون "اسلام میں یہودیت" تھا۔ اس میں واضح کیا گیا تھا کہ اسلام دراصل یہودیت سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب تضادات سے پر تھی اس سے یہودیت کے بارے میں میرا تصور مزید دھندلا گیا۔

آغوشِ اسلام میں آنے کا ایک باعث یہ تھا کہ گھر کے اندر جب بھی میں نے فلسطینی پناہ گزینوں کے حق کی حمایت کی تو انتہائی تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے موقف کی سختی سے مذمت کی گئی۔ یہ رویہ صرف میرے والدین کو نہیں ہر یہودی اور صیہونی کو ودیعت ہوا ہے۔ اسی رویے کے باعث میں یہودیت کے دائرے سے نکلتی چلی گئی۔

اسلام کا مطالعہ اگرچہ بہت پہلے سے جاری تھا تاہم عملاً اسلام کی طرف آمد کا سفر مرحلوں میں طے ہوا اور یہ بہت غور و فکر اور تدبر کے بعد ہوا۔ اسلام کے مطالعے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اسلام زندگی کی محض ضرورت ہی نہیں بلکہ خود زندگی ہے۔ ان تصور اور فکر کے پروان چڑھانے میں مارماڈیوک پکتھال کے ترجمہ قرآن، مارٹن لنگز کی کتاب "محمد" اور مشہور مستشرق محمد اسد کی کتاب "اسلام دوراہے پر" نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ میرے ان تصورات کی تصدیق و تائید میرے ان احباب نے بھی کی جو بعض مسلم ممالک میں بس گئے تھے۔ انھوں نے جب یہ بتایا کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق باہر کے بجائے اپنے خاندان کے قریب رہنے سے ایک خاتون زیادہ رفیع مقام اور روحانی صفات کی حامل قرار پاتی ہے تو اسلام کی جانب میرا بھی رجحان بڑھ گیا۔ جب میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو ہمارے فرقے کے اعلیٰ ربی نے کہا کہ اسلام دوسرے مذاہب کی نسبت اسرائیلیت سے زیادہ قریب ہے۔

سوال: اسلام کے مطالعہ کے بعد آپ جن حقائق تک پہنچی ہیں ان کا اظہار آپ کن

الفاظ میں کریں گی؟

جواب: مطالعہ اسلام کے ساتھ ساتھ میرا یہ احساس دن بدن بڑھتا چلا گیا کہ دنیا میں اسلام واحد مذہب ہے جس نے اپنی پاکیزگی اور صحت کو برقرار رکھا ہے۔ دوسرے مذاہب میں سچائی مسخ ہے یا جزوی مگر اسلام آج بھی اپنی مکمل تعلیمات اور ہدایات کے ساتھ موجود ہے۔ جن میں انسان کے انفرادی معاملات سے لے کر اجتماعی زندگی تک مکمل راہنمائی موجود ہے۔ اسلام زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی دیتا ہے۔ سیکولرازم کا خاتمہ کرتا ہے۔ انفرادی شخصیت کو معاشرے سے مربوط کرتا ہے۔ یہ فرد کو ایک مضبوط و مستحکم شخصیت میں ڈھال دیتا ہے۔ اور یہ اس سے خدا کی بندگی کا حق ادا کرنے اور لادینی و فضول معمولات سے کنارہ کشی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسلام کے مطابق انسانی زندگی کا مقصد اپنے عمل سے محض اللہ کی رضا کے حصول کی کوشش کرنا ہے اور یہ صرف قرآن و احادیث کی اتباع سے ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیروانِ اسلام میں خودکشی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سچا مسلمان دنیا کا بہادر ترین انسان ہوتا ہے جو خدا کے سوا ہر قوت سے بے خوف اور تقدیر پر یقین رکھتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ وقت سے پہلے نہ زخمی ہو سکتا ہے نہ ہلاک۔ یہی یقین اس کے لیے ہمت، طاقت اور حوصلے کا باعث ہوتا ہے۔

اسلام غیر مسلموں کو بھی پر امن زندگی کے مواقع فراہم کرتا ہے اور ان کے حقِ عبادت کو تسلیم کرتا ہے۔ بلکہ ان غیر مسلموں کے ساتھ بھی جہاد کے دوران میں عدل و انصاف کی تاکید کی گئی ہے۔ جو مسلمانوں کے خلاف متشددانہ اقدامات میں ملوث ہوں۔ اسلام زبان، رنگ، نسل، طبقے، علاقے، قومیت، ثقافت اور معاشرتی مقام پر نہیں۔ عقیدے کی بنیاد پر انسانوں کو تقسیم کرتا ہے۔

اسلام ان تمام بندھنوں اور رشتوں کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے جو معاشرتی استحکام کی بنیاد بنتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک انسانی معاشرہ کی بنیاد خاندان ہے اسی لئے اس نے شادی کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کیا۔ اور رہبانیت کی مذمت کی ہے۔ یہ شادی کے علاوہ ہر قسم کے جنسی تعلق کا خاتمہ کرتا اور اس کے لیے شدید قانونی سزا دیتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے ہی

شرم و حیا اور شرافت و احترام کو برقرار رکھنے پر زور دیا اور عریانی و فحاشی کا قلع قمع کیا گیا ہے۔

اسلام کی یہی صداقت اور عظیم تعلیمات ہیں جو میری اسلام کی طرف آمد کا باعث بنی ہیں۔ انہی روشن اصولوں نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا تھا اور میرا وجدان گواہی دینے لگا تھا کہ جدید دنیا کے سب مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ غیر مسلم دنیا کو اسلام کی جانب راغب کرنے کے لیے اسلام کے اس حقیقی تعارف کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال :- قرآن سے آپ کا تعلق کیوں کر قائم ہوا اور اس کتاب نے آپ کی زندگی میں کیا انقلاب پیدا کیا ؟

جواب :- یہ اگست ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ علالت کے باعث میرا سلسلہ تعلیم منقطع ہو چکا تھا۔ ایک شام میری والدہ نے پبلک لائبریری جانے سے قبل مجھ سے کوئی کتاب منگوانے سے متعلق دریافت کیا۔ میں نے ان سے قرآن مجید کا نسخہ لانے کا کہہ دیا۔ ایک گھنٹہ بعد میں قرآن کا مطالعہ کر رہی تھی یہ ایک عیسائی عالم اور مبلغ جارج سیل کا ترجمہ قرآن تھا جس میں فرسودہ قسم کی زبان کے ساتھ ساتھ عیسائی نقطہ نظر سے متن کو بگاڑنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ اس ترجمہ سے میں قرآن کے بارے میں کچھ نہ سمجھ سکی۔ اس زمانے میں اپنے ماحول اور ناپختگی کے باعث قرآن کو تورات کے قصص کی مسخ اور تحریف شدہ شکل ہی تصور کرتی تھی۔

اس وقت میری عمر ۱۹ برس تھی۔ بہر حال میں نے قرآن کا مطالعہ جاری رکھا۔ چند روز بعد ایک دکان پر مجھے پکتھال کا ترجمہ قرآن ملا۔ میں اسے خرید لائی۔ یہ ترجمہ قرآن میرے لئے ایک عظیم انکشاف بن گیا۔ پکتھال نے اس کے Preface میں لکھا تھا کہ اس ترجمہ کا مقصد انگریزی پڑھنے والے افراد کے سامنے یہ بات پیش کرنا ہے کہ مسلمانانِ عالم قرآن کے الفاظ سے کیا مفہوم لیتے ہیں۔ کسی الہامی کتاب کو کوئی ایسا شخص عمدہ انداز سے پیش نہیں کر سکتا جو اس کے الہامات اور پیغام پر یقین نہ رکھتا ہو۔ یہ پہلا انگریزی ترجمہ ہے جو ایک مسلمان انگریز نے کیا ہے۔ اس سے قبل بعض ایسی بے معانی تفسیریں کی گئیں ہیں جو اہلِ اسلام کے لئے حد درجہ دل آزار ہیں۔ نامناسب زبان اس کے علاوہ ہے۔

دراصل قرآن کا ترجمہ ناممکن ہے۔ میں نے اس کتاب کو کلی انداز میں پیش کیا ہے اور موزوں زبان استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اسے ترجمہ قرآن نہیں کہا جا سکتا گو کہ وہ بے مثال ہے۔ اس کے اندر اس قدر ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ لوگ اسے سنتے ہی رونے لگتے ہیں اور وجد میں آجاتے ہیں۔

اس کے بعد بھی جب تک ہسپتال میں زیر علاج رہی یہ ترجمہ میرے زیر مطالعہ رہا۔ اللہ پکتھال کی روح کو خوش رکھے۔ اس کے ترجمہ قرآن نے انگریزی خواں طبقہ کے لئے قرآن کے مطالعہ کو آسان کر دیا۔ بعد ازاں مجھے مشکوٰۃ کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا اس سے انکشاف ہوا کہ احادیث کے مطالعے کے بغیر قرآن سمجھنا بھی ناممکن ہے۔ اس عظیم کتاب کے مطالعے نے قرآن کے الہامی ہونے پر میرا یقین پختہ ایمان میں بدل دیا۔

قرآن نے مجھے ناقابل فراموش سبق دیا کہ اس دنیا میں کسی کو بقا حاصل نہیں ہے۔ زندگی میں کامیابی کا جو جال ہم نے اپنے گرد بن رکھا ہے یہ موت کے دروازے پر آکر ٹوٹ جاتا ہے۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ یہ صرف رب کی عبادت ہے جو انسانوں کو اطمینان و سکینت عطا کرتی ہے اور موت کے بعد حقیقی بقا کا یہی ذریعہ ہے۔ یہ کیسی عظیم بشارت ہے کہ ہم جنت میں اپنے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ "یقیناً اللہ تعالیٰ کا قرب ہمیشہ شادمانی عطا کرے گا"۔

سوال :- امریکہ میں آپ کے گھرانے کا ماحول کیسا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ معاشی مسائل گھر کے اندر بے اطمینانی کا موجب بنے ہوں جو بالآخر یہودی مذہب سے دوری کا باعث بن گئے ہوں ؟

جواب :- نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے امریکی طرز زندگی میں ڈھلے ہوئے خاندان میں آنکھ کھولی۔ نیویارک کے مضافات میں آباد [illegible] بہر حال یہ یہودی خاندان معاشی لحاظ سے بھی خوشحال ہے۔ دنیا کے تمام [illegible] بھی اسے حاصل ہیں صحت اچھی اور مرض [illegible] پرکشش [illegible]

خاندان کی باہمی محبت و مودت اور اچھے دوستوں کی رفاقت۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ ایک ملحد خاندان ہے۔ وہ خدا کو ترک کر چکے ہیں اور وہ اس بات سے بھی آگاہ نہیں ہیں کہ ان کی زندگی کی آخری منزل کیا ہوگی۔ موت کے بعد جزا و سزا کے بھی منکر ہیں۔ میرے والدین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ تمام تر خرابیوں کے باوجود جدید تہذیب تمام تہذیبوں سے برتر اور انسانی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ جزا و سزا محض اسی دنیا تک محدود ہے۔ اس لئے زندگی کا بہتر اصول یہ ہے کہ خوش رہو، زندگی کی تمام مسرتوں سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرو، موت کے خیال کو بھی دل میں ہرگز جگہ نہ دو، خاندان سے پیار کرو، دوست احباب سے تعلقات بڑھاؤ اور امریکہ میں جن تفریحات کی فراوانی ہے ان سے حظ اٹھاؤ۔ وہ زندگی کے اس مصنوعی تصور کے قائل تھے مگر میں نے تلخ تجربے سے جان لیا کہ یہ روش درست نہیں بلکہ بجائے خود اضطراب، غم اور پریشانی کی موجب بن جاتی ہے۔

سوال:۔ کیا والدین اور احباب کی طرف سے قبول اسلام کی مخالفت بھی ہوئی؟

جواب:۔ والدین کی طرف سے مجھے قبول اسلام سے روکنے کی بہت کوششیں ہوئیں۔ یہ ۱۹۵۷ء کی بات ہے جب میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے مجھے منع کیا کہ اسلام سے میری زندگی کئی قسم کی پیچیدگیوں کا شکار ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ یہودیت اور عیسائیت کی طرح امریکی ماحول کا حصہ نہیں۔ پھر کہا گیا کہ اسلام مجھے میرے خاندان سے جدا اور برادری سے لاتعلق کر دے گا۔ چنانچہ میں اس دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکی اور tension کا شکار ہو کر بیمار ہو گئی۔ اور پھر اس علالت نے تعلیم بھی چھڑا دی۔ اس کے بعد دو سال تک گھر پر علاج ہوتا رہا۔ پھر ۵۷ سے ۵۹ تک پرائیویٹ اور سرکاری ہسپتالوں میں زیر علاج رہی۔ اس دوران میں میں نے عہد کیا کہ اگر خدا نے صحت عطا فرمائی تو اسلام قبول کروں گی۔ چنانچہ میں ہسپتال سے فارغ ہوئی تو نیویارک میں مسلمانوں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی اور جلد ہی مسلمان خواتین سے رابطہ ہو گیا۔

میرے قبول اسلام کے بعد یہ تاثر پایا گیا کہ یہ مغربی طرز زندگی میں پلے ہوئے افراد کے

خلاف جذبات کا نتیجہ اور محض دیوانہ پن ہے۔ مگر میں نے یہ واضح کر دیا کہ یہ افراد سے نہیں اس نظام سے بغاوت ہے جسے مغربی تہذیب کا نام دیا جا رہا ہے۔ میں اس نظام سے بغاوت کا اعلان کرتی ہوں جو سطحی گھٹیا اور مصنوعی اقدار کا حامل ہے اور مجھے افراد سے نہیں، اس نظام سے نفرت ہے جس نے ایسے بدکردار معاشرے کو جنم دیا ہے اور جس نے انسانوں اور حیوانوں کے درمیان حد فاصل مٹا کر رکھ دی ہے۔ جہاں محض وقتی مسرتیں اور لطف اندوزی ہی رہ گئی ہے۔ چاہے یہ دوسروں کی قیمت پر ہو بلکہ جہاں یہ اصول بنیادی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ اپنے آپ سے جس قدر ممکن ہو لطف اٹھاؤ۔

الحمد للہ میرے والدین نے اس کے باوجود میرے قبول اسلام کے بعد اس حد تک دور اندیشی کا ثبوت دیا کہ انہوں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فراست، اخلاص اور صلاحیت پر اعتماد کر کے مولانا کی ذمہ داری پر پاکستان بھیجا۔ میرے والدین قیام پاکستان کے بعد دو مرتبہ پاکستان آئے۔ خط و کتابت مسلسل جاری رہی۔ اگرچہ قبول اسلام کی مخالفت کی گئی تھی مگر قبول اسلام کے بعد بھی ان کی شفقت میں کمی نہیں آئی۔

سوال:۔ کیا آپ نے اپنے والدین کو بھی دعوت اسلام دی؟ اس پر ان کا کیا رد عمل رہا؟

جواب:۔ جی ہاں! اسلام کے مطالعے کے بعد میں اپنے والدین کو بھی مسلمان کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی تھی۔ اس حوالے سے میری ان سے اکثر گفتگو رہتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ ۸۹ سالہ والد ابھی حیات ہیں جبکہ والدہ ۸۰ء میں رحلت کر گئی تھیں۔

سوال:۔ آغوش اسلام میں آنے کے بعد امریکہ میں کیا سرگرمیاں رہیں؟

جواب:۔ قبول اسلام سے پہلے بھی اگرچہ میں امریکی ماحول میں رہتی تھی مگر اس کا حصہ نہ تھی۔ اور اس بے خدا تہذیب کے خلاف جذبات رہے لیکن اسلام کے دائرے میں آنے کے بعد امریکی سوسائٹی سے یہ دوری اور زیادہ بڑھ گئی۔ میں جس محفل میں جاتی اسلام کی propagation میری اولین ترجیح ہوتی۔ نیویارک کی جامع مسجد میں جا کر

جمعۃ المبارک کو قاری عبدالباسط کی تلاوت کا ریکارڈ سنتی۔ ایک دن قاری باسط کی تلاوت کا ریکارڈ نہ چلایا گیا بلکہ زنجبار کے ایک سیاہ فام طالب علم نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر کے سامعین کو مسحور کر دیا۔ اس سے زیادہ سریلی اور پرسوز آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی۔ یہ آواز یقیناً حضرت بلال حبشیؓ کی آواز سے ملتی ہوگی۔

سوال: مولاناؒ سے اولین رابطہ کب اور کیسے ہوا، قبول اسلام اور پاکستان آمد کے بعد آپ کو مولانا کے خاندان ساتھ رہنے کا موقع بھی ملا، کیا اس رفاقت کی یاد تازہ فرمائیں گی؟

جواب: میں نے مولاناؒ سے خط و کتابت کے آغاز تک ان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ پہلے پہل ان کا تذکرہ ۱۹۵۸ء میں کینتھ ڈبلیو مورگن کے زیر ادارت شائع ہونے والی کتاب مگر The straight Path of Islam کے باب ISLAM IN PAKISTAN ... میں پڑھا۔ مگر اس میں مولاناؒ کا تذکرہ بہتر انداز میں نہ تھا، کیونکہ رائٹر کے مطابق مولانا جدیدیت پسندوں کے مخالف اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے علمبردار تھے۔ تاہم اس مطالعے کے بعد مولاناؒ کے بارے میں مزید جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اسی اثنا میں ڈربن (جنوبی افریقہ) سے شائع ہونے والے انگریزی رسالے "دی مسلم ڈائجسٹ" میں مولانا کا ایک مضمون شائع ہوا، عنوان تھا "Life after death" یہ مضمون خود میرے خیالات کا عکاس معلوم ہوا۔ میں نے رسالے کے ایڈیٹر کو خط لکھ کر مولانا مودودیؒ کا پتہ حاصل کیا جس کے بعد مولاناؒ سے رابطہ ہوا۔ ۵ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء کو میں نے مارگریٹ مارکوس کے نام سے مولانا کو اولین خط لکھا۔ یہ خط و کتابت قریب ڈیڑھ برس جاری رہی۔ پہلے ہی خط کے جواب میں مولاناؒ نے اپنی کتابوں اور رسائل "دینیات"، "اسلام کا نظریہ حیات"، "اسلامی ریاست" اور "اسلام اور قومیت" کے انگریزی تراجم ارسال فرمائے۔ ان کتابوں کے مطالعے سے مجھے یوں محسوس ہوا، گویا مولاناؒ نے میرے ہی خیالات کی ترجمانی فرمائی ہے۔ ان کتابوں نے اسلام کے متعلق میرے ذہن میں پیدا شدہ متضاد سوالات و شبہات کا شافی و کافی جواب دے دیا۔

یہودی خاندان میں پیدائش و پرورش پا کر میں نے دیکھا کہ مذہب و دین کو بے دینی سے ملانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مجھے اس بددیانتی اور منافقت کا تجربہ پورے بچپن کے دوران ہی ہو گیا تھا مگر قبول اسلام کے بعد میں نے مسلمانوں کے اندر بھی ایسے اثرات اور دین کے حوالے سے بددلی دیکھی تو سخت مایوسی ہوئی۔ الحمدللہ یہ چیز میرے ارادوں اور ایمان پر اثر انداز نہ ہو سکی اور میں نے اس کے خلاف جدوجہد کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ میں نے اس ضمن میں جنوری ۱۹۶۱ء میں مولانا کو خط لکھا تو مولاناؒ نے فوراً اس کا جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا تھا:

"جب میں بہ نظر غائر آپ کی تحریرات کا تجزیہ کر رہا تھا مجھے یوں محسوس ہوا گویا میں اپنے ہی خیالات کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جب آپ اور پڑھ لیں گی اور میری کتب کے مطالعے کا موقع حاصل کر پائیں گی تو آپ کے احساسات بھی اسی نوعیت کے ہوں گے۔ اگرچہ میرے اور آپ کے درمیان پہلے سے کوئی تعارف نہیں، مگر یہ باہمی ہمدردی اور یکجائی فکر اس حقیقت کا نتیجہ ہے کہ ہم دونوں کی واردات قلبی ایک ہی ہے یعنی" اسلام"

آغوش اسلام میں آنے کے بعد امریکی سوسائٹی میرے لیے بہت سی مشکلات کا باعث بن گئی۔ چنانچہ میں نے ۲۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو مولانا کو پھر ایک خط لکھا، اس میں، میں نے واضح طور پر لکھ دیا تھا کہ "میرے لیے امریکی معاشرہ میں مزید رہنا کسی طور پر بھی ممکن نہیں رہا اور اب اس معاشرے میں نہیں سما سکتی اور میں کھلے دل سے تسلیم کرتی ہوں کہ اگر اسلام پر میرا ایمان نہ ہوتا تو برسوں قبل خودکشی کر چکی ہوتی"۔ اس کے جواب میں مولاناؒ نے مجھے پاکستان آنے کی دعوت دی۔ اور فرمایا میری دو بیٹیاں جو قریب قریب آپ کی عمر کی ہیں، مجھے امید ہے کہ آپ کی سہیلیاں بن جائیں گی۔ وہ آپ کو اردو زبان سکھائیں گی اور اس کے بدلے میں آپ سے ایک فرد اسلام کے جذبے اور ولولے سے آگاہ ہوں گی"۔ چنانچہ میں پاکستان آ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ مولاناؒ کے یہاں میری حیثیت ایک فرد خاندان کی سی رہی اور مولاناؒ نے مجھے ہمیشہ اپنی بچیوں کے برابر رکھا۔ مجھے اپنا الگ کمرہ دیا ہوا تھا۔ اس عظیم گھر میں مجھے ضرورت کی ہر شے میسر رہی۔

علمی ذوق کی تسکین اور اعلیٰ تربیت ہوئی۔ میں جب بیمار ہوئی تو مولانا کے پورے خاندان کی طرف سے اس طرح میری خدمت اور تیمارداری ہوئی کہ میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گی۔

بعد ازاں (اگست ۶۲ء میں) مولانا نے مجھ سے مشورہ کر کے مجھے ایک مخلص رکن جماعت اور نائب قیم جماعت اسلامی لاہور محمد یوسف خان سے رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا۔ اس گھرانے نے بڑی خوش دلی سے مجھے بہو کے طور پر قبول کر لیا اور میں اب تک خوش و خرم زندگی بسر کر رہی ہوں اور بچوں کی مصروفیات کے باوجود علمی روحانی فرحت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھے ہوئے ہوں۔ میری شادی کے موقع پر مولانا نے ایک باپ کی طرح مجھے جو نصیحتیں کی تھیں، میں ان پر ہمیشہ کاربند رہی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ میری موجودہ پرسکون زندگی مولانا کی ہدایات اور اس نیک گھرانے کی پاکیزہ روایات کا نتیجہ ہے۔ یہ اس مطمئن زندگی کا نتیجہ ہے کہ مجھے پاکستان آنے کے فیصلے پر کبھی رنج نہ ہوا حتیٰ کہ امریکی اہل خاندان سے ملنے کی خواہش بھی نہ ہوئی۔

سوال :- آپ کی نگاہ میں احیائے اسلام کی موجودہ عالمگیر لہر میں مولانا مودودیؒ کی فکر اور جدوجہد کو کس حد تک دخل حاصل ہے؟

جواب :- مجھے دورِ حاضر میں مولانا مودودیؒ سے بڑھ کر اسلام کی خدمت کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ محض عالم دین ہی نہ تھے بہت بڑے قائد، مدبر اور اسلامی ریاست کے عملاً قیام کے لئے جدوجہد کرنے والے بھی تھے۔ ان کی جدوجہد ایوب اور بھٹو جیسے آمروں کے زوال کا باعث بنی اور وہ خوش قسمت تھے کہ انہوں نے پاکستان میں اسلامی ریاست کے خدوخال خود اپنی زندگی میں ہی دیکھ لئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو پند و نصائح اور نظریات کے ابلاغ تک محدود نہ رکھا بلکہ عملاً جماعت اسلامی کے بانی اور امیر کی حیثیت سے اسلامی ریاست کے لئے جدوجہد بھی کی۔ اسلامی اصولوں کا دفاع انہوں نے اس شان سے کیا کہ اس کے لئے دنیاوی آسائشیں تو کیا اپنی جان تک قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے مجاہدین حق کی طرح ارباب حکومت کی بداعمالیوں کو ہدف تنقید بنایا۔ ان کی تیار کردہ جماعت نے

لادینیت اور مادیت کے خلاف حصار کا کام دیا۔ وہ بڑی خوش حال زندگی بسر کر سکتے تھے مگر انہوں نے کبھی اس کی خواہش نہ کی وہ بڑے حلیم الطبع اور تکبر سے دور تھے۔ ان کی ذات انکسار کا مرقع تھی۔ ذاتی شہرت اور خوشامد سے سخت نفرت تھی حقیقت یہ ہے کہ انہیں خدا کا سچا بندہ بننے کے علاوہ کوئی شوق تھا اور نہ دعویٰ۔ وہ صرف اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ اکابرین حکومت کی غلطیوں پر انہیں برملا ٹوکتے تھے وہ بار بار قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے وہ وقت بھی آیا جب جماعت کو کالعدم قرار دے دیا گیا حتیٰ کہ مولانا کی جان لینے کی کوششیں ہوئیں اور سزائے موت تک سنا دی گئی۔ غنڈوں کے ذریعے بھرے مجمعے میں گولیوں کی بوچھاڑ کروائی گئی۔ مگر وہ ہر آزمائش میں سرخرو نکلے طاقتور سے طاقتور انسان بھی نہیں جھکا سکا اور اللہ نے اپنے اس بندے کی ہر مشکل میں مدد فرمائی۔ اسی استقامت بھری جدوجہد کا اثر ہے کہ ان کی کتابوں کے اثرات پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں افغانستان سے لے کر مقبوضہ کشمیر تک مجاہدین اسلام مولانا کی فکر اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ مولاناؒ کا لٹریچر نئی نسل کو خدمت اسلام کے لئے مائل کر چکا ہے اور یہ بات اب قبول عام حاصل کر رہی ہے کہ اسلام کا عالمگیر نظام تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہے اور یہ کہ موجودہ اخلاقی برائیوں کا واحد حل صرف اسلام ہے۔

میری جملہ اہل اسلام سے اپیل ہے کہ وہ مولانا مودودیؒ کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے جدوجہد کریں جنہوں نے زندگی بھر مال، جان اور وقت کی قربانی دے کر تحریک اسلامی کے کام کو آگے بڑھایا حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں تحریک اسلامی کی موجودہ بہار مولانا مودودیؒ کی مساعی کا حاصل ہے۔

سوال :- مولانا مودودیؒ پاکستان میں آپ کے لئے بہت بڑا روحانی سہارا تھے کہ انہی کی دعوت پر آپ پاکستان آئیں اور اس کے بعد آپ نے اپنی زندگی کے متعدد اہم فیصلے انہی کے مشوروں اور راہنمائی سے کئے۔ کیا آپ بتائیں گی مولانا مودودیؒ کی رحلت پر آپ کے محسوسات کیا تھے؟

جواب :- مولانا کی رحلت کی خبر سن کر میرا فوری احساس یہ تھا کہ میرے سر سے ایک شفیق

یہودی خاندان میں پیدائش و پرورش پا کر میں نے دیکھا کہ وہاں دین کو بے دینی سے ملانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مجھے اس بد دیانتی اور منافقت کا تجربہ پورے بچپن کے دوران میں ہوتا رہا تھا مگر قبولِ اسلام کے بعد میں نے مسلمانوں کے اندر بھی یہی اثرات اور دین کے حوالے سے بددلی دیکھی تو سخت مایوسی ہوئی۔ الحمدللہ یہ چیز میرے ارادوں اور ایمان پر اثر انداز نہ ہو سکی اور میں نے اس کے خلاف جدوجہد کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ میں نے اس ضمن میں جنوری ۱۹۶۱ء میں مولانا کو خط لکھا تو مولانا نے فوراً اس کا جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا تھا:

"جب میں بہ نظرِ غائر آپ کی تحریرات کا تجزیہ کر رہا تھا مجھے یوں محسوس ہوا گویا میں اپنے ہی خیالات کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جب آپ اور پڑھ لیں گی اور میری کتب کے مطالعے کا موقع حاصل کریں گی تو آپ کے احساسات بھی اسی نوعیت کے ہوں گے۔ اگرچہ میرے اور آپ کے درمیان پہلے سے کوئی تعارف نہیں، مگر یہ ہماری ہمدردی اور یکسانیِ فکر اس حقیقت کا نتیجہ ہے کہ ہم دونوں کی وارداتِ قلبی ایک ہی ہے یعنی "اسلام""

آغوشِ اسلام میں آنے کے بعد امریکی سوسائٹی میرے لئے بہت سی مشکلات کا باعث بن گئی چنانچہ میں نے ۲۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو مولانا کو پھر ایک خط لکھا اس میں میں نے واضح طور پر لکھ دیا تھا کہ "میرے لئے امریکی معاشرہ میں مزید رہنا کسی طور پر بھی ممکن نہیں رہا اور اب اس معاشرے میں نہیں رہ سکتی اور میں کھلے دل سے تسلیم کرتی ہوں کہ اگر اسلام پر میرا ایمان نہ ہوتا تو برسوں قبل خودکشی کر چکی ہوتی"۔ اس کے جواب میں مولاناؒ نے مجھے پاکستان آنے کی دعوت دی۔ اور فرمایا میری دو بیٹیاں جو قریب قریب آپ کی عمر کی ہیں، مجھے امید ہے کہ آپ کی سہیلیاں بن جائیں گی۔ وہ آپ کو اردو زبان سکھائیں گی اور اس کے بدلے میں آپ سے ایک فرد د اسلام کے جذبے اور ولولے سے آگاہ ہوں گی"۔ چنانچہ میں پاکستان آ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے یہاں میری حیثیت ایک فیملی ممبر کی سی رہی اور مولاناؒ نے مجھے ہمیشہ اپنی بچیوں کے برابر سمجھا۔ مجھے اپنے اس احساس پر فخر ہے۔ اس عظیم گھر میں مجھے مدت تک ان کی سرپرستی میسر رہی،

سایہ اٹھ گیا ہے اور میں ایک ایسے سرپرست سے محروم ہو گئی ہوں جس کی بدولت مجھے پاکستان میں سب کچھ حاصل ہوا۔ جبکہ عالمِ اسلام عہدِ حاضر کے عظیم ترین لیڈر اور عالمِ دین سے محروم ہو گیا ہے۔ یہ ایسی محرومی ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

مولانا مودودیؒ آخری عمر میں بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور دل میں ان کی زندگی کے بارے میں بڑے اندیشے جنم لے رہے تھے۔ دراصل ان کی بیماری پیرانہ سالی کی بیماری بھی تھی۔ جس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ میرے لئے روحانی باپ کا درجہ رکھتے تھے اور ان کی مجھ پر شفقت ہمیشہ بے پایاں رہی۔ لیکن یہ میرے بس میں نہ تھا کہ انہیں امریکہ جانے سے روک سکتی۔ میں اس کے خلاف تھی، امریکہ میں کوئی ایسا ڈاکٹر نہ تھا جو انہیں صحت دے سکتا۔ کاش وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات بھی پاکستان میں گزارتے۔

سوال:- دعوتِ دین کے ضمن میں آپ کی اب تک سرگرمیاں کیا رہی ہیں؟ دیگر مصروفیات کی کیفیت کیا ہے؟

جواب:- میں اب تک زیادہ تر خلوت گزیں ہی رہی ہوں۔ پہلے پہل تو بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام کر رہی تھی۔ اب مطالعہ اور تحریری مشاغل بڑھ گئے ہیں اس لئے دوسروں سے ملنے کے کم ہی مواقع ملتے ہیں۔ میں اب تک جو بھی خدمت کر پائی ہوں جو کتابوں کی صورت میں موجود ہے یہ کتابیں انگریزی میں ہیں، تاہم بعض کے اردو تراجم ہو چکے ہیں۔ ... وقت بہت قیمتی متاع ہے۔ میں اسے ریڈیو، ٹی وی پر بھی ضائع نہیں کرتی، مجھے یہاں آئے ۲۰ برس ہو چلے ہیں مگر میں کبھی سینما ہاؤس نہیں گئی۔ اسے تفریح کا نام دینے والوں کا موقف صحیح نہیں ہے میرے نزدیک یہ تضیعِ اوقات اور خرافات کے سوا کچھ نہیں۔ اپنے بچوں سے بڑھ کر ایک ماں کو تفریح کہاں سے مل سکتی ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ میں آرٹ کی دلدادہ تھی اور بال کٹوایا کرتی تھی، قبولِ اسلام کے بعد یہ سب کچھ ترک کر دیا ہے۔ اب سادگی اختیار کر چکی ہوں تاکہ دوسروں کی نگاہیں میری جانب نہ اٹھیں۔

سوال:- آپ کا یہودیت سے نسلی تعلق رہا ہے جبکہ اس مذہب کے بارے میں گہرا

علمی ذوق کی تسکین اور اعلیٰ تربیت ہوئی۔ میں جب بیمار ہوئی تو مولانا کے پورے خاندان کی طرف سے اس طرح میری خدمت اور تیمارداری ہوئی کہ میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گی۔

بعد ازاں (اگست ۱۹۶۳ء میں) مولانا نے مجھ سے مشورہ کر کے مجھے ایک مخلص رکن جماعت اور نائب قیم جماعت اسلامی لاہور محمد یوسف خاں سے رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا۔ اس گھرانے نے بڑی خوش دلی سے مجھے بہو کے طور پر قبول کر لیا اور میں اب تک خوش خرم زندگی بسر کر رہی ہوں اور بچوں کی مصروفیات کے باوجود میں روحانی فرحت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھے ہوئے ہوں۔ میری شادی کے موقع پر مولانا نے ایک باپ کی طرح مجھے جو نصیحتیں کی تھیں میں ان پر ہمیشہ کاربند رہی ہوں میں سمجھتی ہوں کہ میری موجودہ پرسکون زندگی مولانا کی ہدایات اور اس نیک گھرانے کی پاکیزہ روایات کا نتیجہ ہے۔ یہ اسی مطمئن زندگی کا نتیجہ ہے کہ مجھے پاکستان آنے کے فیصلے پر کبھی رنج نہ ہوا حتیٰ کہ امریکی اہل خاندان سے ملنے کی خواہش بھی نہ ہوئی۔

سوال:۔ آپ کی نگاہ میں احیائے اسلام کی موجودہ عالمگیر لہر میں مولانا مودودیؒ کی فکر اور جدوجہد کو کس حد تک دخل حاصل ہے؟

جواب:۔ مجھے دورِ حاضر میں مولانا مودودیؒ سے بڑھ کر اسلام کی خدمت کرنیوالا کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ محض عالم دین ہی نہ تھے بہت بڑے قائد، مدبر اور اسلامی ریاست کے عملاً قیام کے لئے جدوجہد کرنے والے بھی تھے۔ ان کی جدوجہد ایوب اور بھٹو جیسے آمروں کے زوال کا باعث بنی اور وہ خوش قسمت تھے کہ انہوں نے پاکستان میں اسلامی ریاست کے خدوخال خود اپنی زندگی میں ہی دیکھ لئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو پند و نصائح اور نظریات کے ابلاغ تک محدود نہ رکھا بلکہ عملاً جماعت اسلامی کے بانی اور امیر کی حیثیت سے اسلامی ریاست کے لئے جدوجہد بھی کی۔ اسلامی اصولوں کا دفاع انہوں نے اس شان سے کیا کہ اس کے لئے دنیاوی آسائشیں تو کیا اپنی جان تک قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے مجاہدین حق کی طرح ارباب حکومت کی بداعمالیوں کو ہدف تنقید بنایا۔ ان کی تیار کردہ جماعت نے

لادینیت اور مادیت کے خلاف حصار کا کام دیا۔ وہ بڑی خوش حال زندگی بسر کر سکتے تھے مگر انہوں نے کبھی اس کی خواہش نہ کی وہ بڑے حلیم الطبع اور تکبر سے دور تھے۔ ان کی ذات سادگی کا مرقع تھی۔ ذاتی شہرت اور خوشامد سے سخت نفرت تھی حقیقت یہ ہے کہ انہیں خدا کا سچا بندہ بننے کے علاوہ کوئی شوق تھا اور نہ دعویٰ۔ وہ صرف اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ اکابرین حکومت کی غلطیوں پر انہیں برملا ٹوکتے تھے وہ بار بار قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے وہ وقت بھی آیا جب جماعت کو کالعدم قرار دے دیا گیا حتیٰ کہ مولانا کی جان لینے کی کوششیں ہوئیں اور سزائے موت تک سنا دی گئی۔ غنڈوں کے ذریعے بھرے مجمعے میں گولیوں کی بوچھاڑ کروائی گئی۔ مگر وہ ہر آزمائش میں سرخرو نکلے طاقتور سے طاقتور انسان بھی انہیں نہ جھکا سکا اور اللہ نے اپنے اس بندے کی ہر مشکل میں مدد فرمائی۔ اسی استقامت بھری جدوجہد کا اثر ہے کہ ان کی کتابوں کے اثرات پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں افغانستان سے لے کر مقبوضہ کشمیر تک مجاہدین اسلام مولاناؒ کی فکر اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ مولاناؒ کا لٹریچر نئی نسل کو خدمت اسلام کے لئے مائل کر چکا ہے اور یہ بات اب قبول عام حاصل کر رہی ہے کہ اسلام کا عالمگیر نظام تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہے اور یہ کہ موجودہ اخلاقی برائیوں کا واحد حل صرف اسلام ہے۔

میری جملہ اہل اسلام سے اپیل ہے کہ وہ مولانا مودودیؒ کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے جدوجہد کریں جنہوں نے زندگی بھر مال، جان اور وقت کی قربانی دے کر تحریک اسلامی کے کام کو آگے بڑھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں تحریک اسلامی کی موجودہ بہار مولانا مودودیؒ کی مساعی کا حاصل ہے۔

سوال:۔ مولانا مودودیؒ پاکستان میں آپ کے لئے بہت بڑا روحانی سہارا تھے کہ انہی کی دعوت پر آپ پاکستان آئیں اور اس کے بعد آپ نے اپنی زندگی کے متعدد اہم فیصلے انہی کے مشوروں اور راہنمائی سے کئے۔ کیا آپ بتائیں گی مولانا مودودیؒ کی رحلت پر آپ کے محسوسات کیا تھے؟

جواب:۔ مولانا کی رحلت کی خبر سن کر میرا فوری احساس یہ تھا کہ میرے سر سے ایک شفیق

سایہ اٹھ گیا ہے اور میں ایک ایسے سرپرست سے محروم ہو گئی ہوں جس کی بدولت مجھے پاکستان میں سب کچھ حاصل ہوا۔ جبکہ عالم اسلام عہد حاضر کے عظیم ترین لیڈر اور عالم دین سے محروم ہو گیا ہے۔ یہ ایسی محرومی ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

مولانا مودودیؒ آخری عمر میں بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور دل میں ان کی زندگی کے بارے میں بڑے اندیشے جنم لے رہے تھے۔ دراصل ان کی بیماری کا پیرانہ سالی کی بیماری بھی تھی۔ جس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا تھا وہ میرے لئے روحانی باپ کا درجہ رکھتے تھے اور ان کی مجھ پر شفقت ہمیشہ بے پایاں رہی۔ لیکن یہ میرے بس میں نہ تھا کہ انہیں امریکہ جانے سے روک سکتی۔ میں اس کے خلاف تھی۔ امریکہ میں کوئی ایسا ڈاکٹر نہ تھا جو انہیں صحت دے سکتا۔ کاش وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات بھی پاکستان میں گزارتے۔

سوال:۔ دعوت دین کے ضمن میں آپ کی اب تک سرگرمیاں کیا رہی ہیں؟ اور دیگر مصروفیات کی کیفیت کیا ہے؟

جواب:۔ میں اب تک زیادہ تر خلوت گزیں ہی رہی ہوں۔ پہلے پہل تو بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام کر رہی تھی۔ اب مطالعہ اور تحریری مشاغل بڑھ گئے ہیں اس لئے دوسروں سے ملنے کے کم ہی مواقع ملتے ہیں۔ میں اب تک بڑی خدمت کر پائی ہوں جو کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔ یہ کتابیں انگریزی میں ہیں تاہم بعض کے اردو تراجم ہو چکے ہیں۔... وقت بہت قیمتی متاع ہے۔ میں اسے ریڈیو ٹی وی پر بھی ضائع نہیں کرتی۔ مجھے یہاں آئے ۳۰ برس ہو چلے ہیں مگر میں کبھی سینما ہاؤس نہیں گئی۔ اسے تفریح کا نام دینے والوں کا موقف صحیح نہیں ہے میرے نزدیک یہ تضیع اوقات اور خرافات کے سوا کچھ نہیں۔ اپنے بچوں سے بڑھ کر ایک ماں کو تفریح کہاں سے مل سکتی ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ میں آرٹ کی دلدادہ تھی اور بال کٹوایا کرتی تھی۔ قبول اسلام کے بعد یہ سب کچھ ترک کر دیا ہے۔ اب سادگی اختیار کر چکی ہوں تاکہ دوسروں کی نگاہیں میری جانب نہ اٹھیں۔

سوال:۔ آپ کا یہودیت سے نسلی تعلق رہا ہے جبکہ اس مذہب کے بارے میں گہرا

علاوہ بھی رکھتی ہیں۔ اس نسبت سے آپ یہودیت کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہیں۔ کیا آپ بتائیں گی کہ یہودیوں کی اسلام دشمنی کا مقابلہ کیونکر ممکن ہے؟

جواب:۔ یہودیت کے مقابلے کے لئے بہترین ہتھیار صرف جہاد ہے۔ یہودی پُر امن ذرائع سے نہیں مانیں گے اور ان ذرائع سے ایک انچ سرزمین کی واگزاری بھی ممکن نہیں ہے۔ اس وقت بھی خود مسلمانوں کی طرف سے امن مذاکرات پر زور دیا جا رہا ہے۔ مگر میں پوچھتی ہوں کہ ایسا کرتے وقت یہودی تاریخ کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے؟ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دنیا میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے یہودیت کا وجود خطرے میں رہے گا۔ بلکہ وہ تو اس حد تک پر امید ہیں کہ مقدس مقامات مکہ و مدینہ سے مسلمانوں کو نکال کر ان پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اس وقت یہ بات قطعاً فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہودیوں کے عزائم کا مقابلہ مذاکرات کی میز پر نہیں میدان جنگ میں ہو گا۔

میرے نزدیک یہودیوں کا مقابلہ اخوان المسلمون اور اس کی ہم فکر "حماس" ہی کر سکتی ہے۔ انتفاضہ کا عمل اس کا بہترین آغاز ہے۔ اس لئے مسلمانوں اور خصوصاً عربوں سے میری گزارش ہے کہ وہ فلسطین کی تحریک جہاد میں سرگرم مجاہدین کی ہر ممکن اعانت کریں۔ عالم اسلام کے وجود کی بقاء اور تحفظ صرف اس کے اتحاد باہمی میں مضمر ہے۔ اس ضمن میں میں تجویز کروں گی کہ بین الاقوامی اسلامی فوج تشکیل دی جائے۔ عالم اسلام اپنے قدموں پر کھڑا ہو۔ غیر مسلموں کی محتاجی کے جال سے جلد از جلد نکلیں۔ یہ محتاجی خواہ سیاسی ہو یا اقتصادی، فوجی یا تعلیمی و ثقافتی، انتہائی خطرناک ہے۔ دوسری طرف قومیت کے نعروں نے ہمیں جگہ جگہ تفرقات میں بانٹ دیا ہے۔ ہم اسلام کے عطا کردہ نقطہ اتحاد کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ عالم اسلام کے حکمران نقطہ اتحاد صرف اسلام کو قرار دیں، قومیت کو نہیں۔ یہ دراصل مغربی ذرائع ابلاغ کے زہریلے پروپیگنڈے کا ثمر ہے کہ ہم ہر دوڑ میں موجود ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے آگے بڑھیں اور ایک

قدم آگے بڑھ کر خود اسلام دشمن قوتوں یہودیت و نصرانیت میں اختلافات کو ہوا دیں یا پھر یہود
کے سر سے عیسائیت کا سایہ بالآخر ختم کرنا ہی پڑے گا۔

سوال :- اس پروپیگنڈے کا کیا جواب ہے کہ اسلام میں عورت کو آزادی حاصل نہیں ہے اور یہ کہ یہ آزادی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خواتین خود جدوجہد نہیں کریں گی؟

جواب :- عورت کا اصل فرض معاشرے کی اساس یعنی گھر اور خاندان کی تعمیر اور تحفظ کا کام ہے۔ عورت کو سیاسی، سماجی اور کاروباری معاملات میں حصہ لینے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح سے وہ اپنے گھر اور اصل ذمہ داریوں سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگرچہ پیشے میں رہ کر وہ ان معاملات میں حصہ لے سکتی ہیں لیکن یہ اس لئے ضروری اور مطلوب نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت کے لئے بہترین جگہ گھر ہے۔ گھر کی ذمہ داریاں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین سب سے پہلے ان کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔ اسلام لازوال تعلیمات کا علمبردار ہے۔ یہ تعلیمات اخلاقی بھی ہیں اور روحانی بھی۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین اپنی زندگیوں میں کتاب و سنت سے راہنمائی حاصل کریں۔ اس سے باطن کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ماڈرن طریقے کے مطابق خود کو ڈھالنے کی سعی ایسے ہی ہوگی کہ ہم بدی کی طاقتوں کے سامنے ہتھیار ڈال رہے ہیں۔

آزادیٔ نسواں کی تحریک عورتوں اور مردوں کے جنسی فرق سے انکار کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کی علمبردار خواتین مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کی حامی ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس سے نکاح، گھر، خاندان، امومت ... سب بے وقعت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس تحریک کا اصل مقصد یورپ اور امریکہ کے انتشار کو یہاں بھی فروغ دینا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ آزادانہ اختلاط پر پابندی عائد کر دی جائے۔ برصغیر ہندوپاک میں پردہ کو صدیوں تک انتہائی اہمیت حاصل رہی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لئے باہر نکلنے کی اجازت صرف اسی صورت میں دی ہے کہ وہ مناسب لباس پہن کر نکلیں اور شرافت کا دامن

ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ بلکہ عورتوں کو مسجد میں بھی جانے کی اجازت ہے تاہم گھروں میں نماز بھی جائز ہے۔ وہ گھریلو کاموں سے فارغ ہو کر سہیلیوں سے بھی مل سکتی ہیں اور شادی کی تقاریب بھی Attend کر سکتی ہیں۔

سوال :- دور نو اس لحاظ سے بہت بڑا دور ابتلاء ہے کہ تحریک اسلامی کے کارکنان کو بیک وقت کئی محاذوں پر لڑائی لڑنی پڑ رہی ہے۔ مغرب سے اٹھنے والے متعدد فتنے مسلمانوں کی نئی نسل حتیٰ کہ تعلیم یافتہ خواتین کے بھی بے دینی کے راستے پر جانے کا سبب بن رہے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں اس صورت حال میں خواتین کیا کردار ادا کر سکتی ہیں؟

جواب :- میرا خیال ہے کہ خواتین اس محاذ پر نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ کردار کی بنیاد اساسی دو لحاظ سے ہے۔ اولاً یہ کہ خواتین میں دعوتی و تربیتی کام خواتین ہی انجام دے سکتی ہیں۔ اس ضمن میں اس جدوجہد کا حوالہ بے جا نہ ہوگا کہ خواتین کی جو اسلامی تحریکات پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک میں مصروف عمل ہیں ان کے نتائج حیرت انگیز حد تک بہتر اور حوصلہ افزا رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ بچوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہے۔ اس لئے نئی نسل کی جس قدر بہتر تربیت مائیں کر سکتی ہیں، مرد نہیں کر سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ خواتین اگر اپنے بچوں کو تحریک اسلامی کا سپاہی بنا دیں تو پوری دنیا میں مستقبل اسلام اور صرف اسلام کا ہے۔

داعی خواتین کی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے گھر اور عزیزوں پر کام کریں۔ اس کے بعد پڑوسی ہیں، پھر اہل محلہ اور پھر اس سے آگے۔ یہ دعوت دین کی اصل حقیقی اور فطری ترتیب ہے۔ بہت سی مائیں خود تو عبادات کی پابندی کا اہتمام کر لیتی ہیں لیکن وہ اپنے بچوں سے ایسا کرانے میں ناکام رہتی ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ تمام ذہین، دلیر اور مخلص خواتین اس کام کو ایک تحریک کی صورت میں سامنے لائیں کہ بچوں کی بہترین تربیت کرنا ہے۔ یہ کوشش انفرادی نہیں اجتماعی انداز میں ہوں۔ جب تک گھر کے اندر ہی صفائی نہ ہوگی باہر کی گند کی صفائی کرنے کا کام بے معنی رہے گا۔ اگر وہ دوسری مصروفیات کو اولیت دیں گی تو

بچوں کا بگاڑ کیونکر دور ہوگا۔ انہیں گلیوں اور بازاروں سے حاصل ہونے والی تعلیم کی صرف گھر کے اندر اصلاح ممکن ہے۔ اس سے غفلت بچوں کی ذہن میں بڑی بغاوت کا سبب بن سکتی ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ بچے سعید فطرت لے کر آتے ہیں، انہیں خراب ماحول سے ملتی ہے جس کے خود والدین بھی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ نسل نو کی بہتر تربیت کے لئے میرے خیال میں خواتین کو ایسے اسلامی اسکول قائم کرنے چاہئیں جن کے ذریعے ان کی دینی تربیت کا اہتمام کیا جائے، انہیں احکام قرآن، ارشادات رسولؐ، اسلاف کی عظیم روایات اور عبادات کی جانب راغب کیا جائے ...... یہ کلاسز گھر کے اندر بھی لگ سکتی ہیں .....

عجیب بات ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صرف گنتی کے چند اسکول ہیں۔ جہاں اسلام کی تعلیم عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر دی جاتی ہے۔ مقاصد پاکستان کا تقاضا ہے کہ یہاں مثالی اسلامی درسگاہوں کا جال بچھایا جائے۔

خواتین کے اندر کام کرنے کے لئے مذکورہ بالا ماخذ سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ قرآن و سنت کا مطالعہ سرسری نہیں، خوب سوچ سمجھ کر، جو اسلام زندگی کے ہر شعبے کے لئے احکام و ہدایات دیتا ہے۔ اگر ان پر توجہ ہے تو ہماری زندگیاں انقلاب آشنا ہو سکتی ہے بلکہ ہم پوری دنیا کو تبدیلی سے دوچار کر سکتے ہیں۔ خوف خدا کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے نزدیک یہی وہ بنیادی چیز ہے جو عورتوں کو مردوں اور مردوں کو عورتوں کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ جو لوگ قانون کا سہارا لینے کی سعی ناتمام کرتے ہیں انہیں جان لینا چاہیے کہ محض قانون نہ عورتوں کو تحفظ دے سکتا ہے اور نہ انہیں ان کے حقوق دلوا سکتا۔

سوال :۔ مغربی تہذیب کے تضادات کھل کر سامنے آ رہے ہیں، اپنے کردار اور اثرات کے لحاظ سے اقوام و ملل کے لئے یہ تہذیب کس درجہ تباہ کن رہی ہے، یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، آپ کے نزدیک یہ تہذیب اب مزید کتنا عرصہ زندہ رہ سکے گی؟

جواب :۔ مغرب اس لحاظ سے انتہائی قابل مذمت ہے اور اس کا معیار اب اس حد تک گر چکا ہے کہ اس کے رہنما اور دانشور گناہ کو نیکی اور نیکی کو گناہ بنا کر پیش کر رہے ہیں، یہ چیز

سلام بھی رکھتی ہیں، اس نسبت سے آپ یہودیت کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہیں۔ کیا آپ بتائیں گی یہودیوں کی اسلام دشمنی کا مقابلہ کیونکر ممکن ہے؟

جواب :۔ یہودیت کے مقابلے کے لئے بہترین ہتھیار صرف جہاد ہے۔ یہودی پُرامن ذرائع سے نہیں مانیں گے اور ان ذرائع سے ایک انچ سرزمین کی واگزاری بھی ممکن نہیں ہے۔ اس وقت بھی خود مسلمانوں کی طرف سے امن مذاکرات پر آمادگی دکھائی جا رہی ہے۔ مگر میں پوچھتی ہوں کہ ایسا کرتے وقت یہودی تاریخ کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے؟ وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دنیا میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے، یہودیت کا وجود خطرے میں رہے گا۔ بلکہ وہ تو اس حد تک پر امید ہیں کہ مقدس مقامات مکہ و مدینہ سے مسلمانوں کو نکال کر ان پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اس وقت۔ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہودیوں کے عزائم کا مقابلہ مذاکرات کی میز پر نہیں میدان جنگ میں ہوگا۔

میرے نزدیک یہودیوں کا مقابلہ اخوان المسلمون اور اس کی ہم فکر "حماس" ہی کر سکتی ہے۔ انتفاضہ کا عمل اس کا بہترین آغاز ہے۔ اس لئے مسلمانوں اور خصوصاً عربوں سے میری گزارش ہے کہ وہ فلسطین کی تحریک جہاد میں سرگرم مجاہدین کی ہر ممکن اعانت کریں۔ عالم اسلام کے وجود کی بقاء اور تحفظ صرف اس کے اتحاد باہمی میں مضمر ہے۔ اس ضمن میں میں تجویز کروں گی کہ بین الاقوامی اسلامی فوج تشکیل دی جائے، عالم اسلام اپنے قدموں پر کھڑا ہو غیر مسلموں کی محتاجی کے جال سے جلد از جلد نکلیں۔ یہ محتاجی خواہ سیاسی ہو یا اقتصادی، فوجی یا تعلیمی و ثقافتی انتہائی خطرناک ہے۔ دوسری طرف قومیت کے نعروں نے ہمیں الگ الگ فرقوں میں بانٹ دیا ہے، ہم اسلام کے عطا کردہ نقطہ اتحاد کو فراموش کر بیٹھے ہیں، اس کا حل صرف یہ ہے کہ عالم اسلام کے حکمراں نقطہ اتحاد صرف اسلام کو قرار دیں، قومیت کو نہیں۔ یہ دراصل مغربی ذرائع ابلاغ کے زہریلے پروپیگنڈے کا شاخسانہ ہے کہ ہم میں دراڑیں موجود ہیں۔ اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے آگے آئیں اور ایک

قدم آگے بڑھ کر خود اسلام دشمن قوتوں یہودیت و نصرانیت میں اختلافات کو ترک کر دیں گی یا یہودو
کے سر سے عیسائیت کا سایہ بالآخر ختم کرنا ہی پڑے گا۔

سوال:- اس پروپیگنڈے کا کیا جواب ہے کہ اسلام میں عورت کو آزادی حاصل نہیں ہے
اور یہ کہ یہ آزادی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خواتین خود جدوجہد نہیں کریں گی؟

جواب:- عورت کا اصل فرض معاشرے کی اساس یعنی گھر اور خاندان کی تعمیر اور تحفظ کا کام ہے۔ عورت کو سیاسی، سماجی اور کاروباری معاملات میں حصہ لینے پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح سے وہ اپنے گھر اور اصل ذمہ داریوں سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگرچہ پردے میں رہ کر وہ ان معاملات میں حصہ لے سکتی ہیں لیکن یہ اس لئے ضروری اور مطلوب نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت کے لئے بہترین جگہ گھر ہے۔ گھر کی ذمہ داریاں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین سب سے پہلے ان کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔ اسلام لازوال تعلیمات کا علمبردار ہے، یہ تعلیمات اخلاقی بھی ہیں اور روحانی بھی، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین اپنی زندگیوں میں کتاب و سنت سے راہنمائی حاصل کریں۔ اس سے باطن کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ماڈرن طریقے کے مطابق خود کو ڈھالنے کی سعی ایسے ہی ہوگی کہ ہم بدی کی طاقتوں کے سامنے سپر ڈال رہے ہیں۔

آزادیٔ نسواں کی تحریک عورتوں اور مردوں کے جنسی فرق سے انکار کے مترادف ہے، یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کی علمبردار خواتین مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کی حامی ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس سے نکاح، گھر، خاندان، عورت ... سب بے وقعت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اس تحریک کا اصل مقصد یورپ اور امریکہ کے انتشار کو یہاں بھی فروغ دینا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ آزادانہ اختلاط پر پابندی عائد کر دی جائے۔ برصغیر ہند و پاک میں پردہ کو صدیوں تک انتہائی اہمیت حاصل رہی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لئے باہر نکلنے کی اجازت صرف اسی صورت میں دی ہے کہ وہ مناسب لباس پہن کر نکلیں اور شرافت کا دامن

ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ بلکہ عورتوں کو مسجد میں بھی جانے کی اجازت ہے تاہم گھروں میں نماز بھی جائز ہے۔ وہ گھریلو کاموں سے فارغ ہو کر سہیلیوں سے بھی مل سکتی ہیں اور شادی کی تقاریب بھی Attend کر سکتی ہیں۔

سوال:- دور نو اس لحاظ سے بہت بڑا دور ابتلا ہے کہ تحریک اسلامی کے کارکنان کو بیک وقت کئی محاذوں پر لڑائی لڑنی پڑ رہی ہے۔ مغرب سے اٹھنے والے متعدد فتنے مسلمانوں کی نئی نسل حتیٰ کہ تعلیم یافتہ خواتین کے بھی بے دینی کے راستے پر جانے کا سبب بن رہے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں اس صورت حال میں خواتین کیا کردار ادا کر سکتی ہیں؟

جواب:- میرا خیال ہے کہ خواتین اس محاذ پر نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ کردار کی یہ آسانی دو لحاظ سے ہے۔ اولاً یہ کہ خواتین میں دعوتی و تربیتی کام خواتین ہی انجام دے سکتی ہیں۔ اس ضمن میں اس جدوجہد کا حوالہ بے جا نہ ہوگا کہ خواتین کی جو اسلامی تحریکات پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک میں مصروف عمل ہیں ان کے نتائج حیرت انگیز حد تک بہتر اور حوصلہ افزا رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ بچوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہے۔ اس لئے نئی نسل کی جس قدر بہتر تربیت مائیں کر سکتی ہیں مرد نہیں کر سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ خواتین اگر اپنے بچوں کو تحریک اسلامی کا سپاہی بنا دیں تو پوری دنیا میں مستقبل اسلام اور صرف اسلام کا ہے۔

داعی خواتین کی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے گھر اور عزیزوں پر کام کریں۔ اس کے بعد پڑوسی ہیں پھر اہل محلہ اور پھر اس سے آگے۔ یہ دعوت دین کی اصل حقیقی اور فطری ترتیب ہے۔ بہت سی مائیں خود تو عبادات کی پابندی کا اہتمام کرتی ہیں لیکن وہ اپنے بچوں سے ایسا کرانے میں ناکام رہتی ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ تمام ذہین، قابل اور مخلص خواتین اس کام کو ایک تحریک کی صورت میں لے کر یہ کہ بچوں کی بہترین تربیت کرنی ہے۔ یہ کوشش انفرادی بھی ہو، اجتماعی انداز میں ہو۔ جب تک گھر کے اندر صفائی نہ ہوگی باہر کی گندگی صاف کرنے کا کام بے معنی رہے گا۔ اگر وہ دوسری مصروفیات کو اولیت دیں گی تو

بچوں کا بگاڑ کیونکر دور ہوگا۔ انہیں گھروں اور بازاروں سے حاصل ہونے والی تعلیم کی صرف گھر کے اندر اصلاح ممکن ہے۔ اس سے غفلت بچوں کی دین سے بڑی بغاوت کا سبب بن سکتی ہے۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ بچے سعید فطرت لے کر آتے ہیں' انہیں خراب ماحول سے ملتی ہے' جس کے خود والدین بھی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ نسل نو کی بہتر تربیت کے لئے میرے خیال میں خواتین کو ایسے اسلامی اسکول قائم کرنے چاہئیں جن کے ذریعے ان کی دینی تربیت کا اہتمام کیا جائے' انہیں احکام قرآن' ارشادات رسولؐ' اسلاف کی عظیم روایات اور عبادات کی جانب راغب کیا جائے ...... یہ کلاسز گھر کے اندر بھی لگ سکتی ہیں.....

عجیب بات ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صرف گنتی کے چند اسکول ہیں۔ جہاں اسلام کی تعلیم عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر دی جاتی ہے۔ مقاصد پاکستان کا تقاضا ہے کہ یہاں مثالی اسلامی درسگاہوں کا جال بچھایا جائے۔

خواتین کے اندر کام کرنے کے لئے مذکورہ بالا ماخذ سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ قرآن و سنت کا مطالعہ سرسری نہیں' خوب سوچ سمجھ کر ہو۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے کے لئے احکام و ہدایات دیتا ہے۔ اگر ان پر توجہ ہے تو ہماری زندگیاں انقلاب آشنا ہو سکتی ہے بلکہ ہم پوری دنیا کو تبدیلی سے دوچار کر سکتے ہیں۔ خوف خدا کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے نزدیک یہی وہ بنیادی چیز ہے جو عورتوں کو مردوں اور مردوں کو عورتوں کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ جو لوگ قانون کا سہارا لینے کی سعی ناتمام کرتے ہیں انہیں جان لینا چاہیے کہ محض قانون نہ عورتوں کو تحفظ دے سکتا ہے اور نہ انہیں ان کے حقوق دلوا سکتا ہے۔

سوال:۔ مغربی تہذیب کے تضادات کھل کر سامنے آرہے ہیں' اپنے کردار اور اثرات کے لحاظ سے اقوام و ملل کے لئے یہ تہذیب کس درجہ تباہ کن رہی ہے' یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں' آپ کے نزدیک یہ تہذیب اب مزید کتنا عرصہ زندہ رہ سکے گی؟

جواب:۔ مغرب اس لحاظ سے انتہائی قابل مذمت ہے اور اس کا معیار اب اس حد تک گر چکا ہے کہ اس کے رہنما اور دانشور گناہ کو نیکی اور نیکی کو گناہ بنا کر پیش کر رہے ہیں' یہ چیز

اس تہذیب کے زوال کا لازمی باعث بنے گی۔ اس طرز فکر و عمل سے ناجائز تعلقات بے حیائی کی زندگی اور غلط جنسی رویے سے تمام پابندیاں اٹھ چکی ہیں۔ ذرائع ابلاغ اسی طرز زندگی کی تشہیر کر رہے ہیں۔ وہاں رشتے بھی اب مادیت پرستی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے میں خود میری اپنی مثال موجود ہے۔ مجھے ایک بالغ فرد کے طور پر اپنے خاندان میں عزت اس وقت ملی جب میں نے شادی کی' ماں بنی اور اپنا ایک ادبی مقام بنا لیا' اس سے قبل مجھے غیر موزوں تصور کیا جاتا تھا۔ انتہائی تلخ تجربات سے مجھے معلوم ہوا کہ ذاتی خواہشات انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ میرا احساس اور ذاتی تجربہ ہے کہ عظیم ترین مسرت محض مفید کام کرنے تخلیقی کام انجام دینے اور خدا کی رضا کے لئے کام کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن و سنت کا وسیع ذخیرہ اسی جانب راہنمائی کرتا ہے۔

آج کے جدت پسند اور مغرب پرست افراد کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب ترقی یافتہ، جدید اور ترقی پسند ہے' اس کی نگاہ مستقبل پر ہے جبکہ اسلامی تہذیب انتہائی پسماندہ ہے کیونکہ یہ راہنمائی کے لئے مستقبل کی طرف نہیں ماضی کی طرف دیکھتی ہے۔ جبکہ یہ دور اس دور سے قطعی مختلف ہے جب ۱۴ سو برس قبل رسول پاکؐ تشریف لائے تھے۔ قرآن و حدیثؐ کے احکام محض اس دور سے وابستہ تھے' اس لئے مسلمان بہتری اور ترقی چاہتے ہیں تو مادیت پرستی اختیار کریں۔ مگر میں دریافت کرنا چاہوں گی کیا ہماری فطرت اب بھی پہلے والی نہیں ہے۔ کیا ۵۰ برس پہلے کے ہمارے اجداد کا سا دل و دماغ ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔ ہڈیوں اور جسم کی ساخت و پرداخت بدل گئی ہے؟ نیکی و بدی پر ابھارنے والے نفسیاتی محرکات وہی نہیں رہے؟ جسمانی' روحانی اور جذباتی تسکین کے تقاضے اور عوامل بدل گئے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہدایت اور جہانبانی کا وہی سامان ہی فرسودہ قرار پایا تھا جو اسی نسل کے لئے کیا گیا تھا؟ اسلام کو پسماندگی کی علامت قرار دینے والے مت بھولیں کہ جب مسلمانوں کے پاس سیاسی و تہذیبی اقتدار تھا تو ان کے زیر اقتدار علاقوں میں روحانی تسکین ہی نہیں اقتصادی و معاشی خوشحالی بھی عام تھی اور اقتصادی زوال اسی وقت شروع ہوا جب انہیں روحانی

اقدار زوال پذیر ہوئیں۔ اہل اسلام کو آگاہ رہنا چاہیے کہ مغرب ہمارے اس روحانی اقدار کے زوال کو برقرار رکھنے کی سازش میں مصروف ہے۔ میرے وہ بھائی غلط سوچ رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ جدید تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اسلام کو بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینا چاہیے۔

سوال :- کیا اسلامی تہذیب کے خلاف اعتراض کرنے والوں کا جواب دیں گی کہ اسلام کوئی جدا تہذیب نہیں بلکہ دوسری تہذیبوں کا مجموعہ یا ملغوبہ ہے؟

جواب :- بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دنیا میں اسلامی تہذیب موجود ہی نہیں رہی' ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل رومی، یونانی، مصری، ایرانی یا ہندو تہذیب کا مجموعہ ہے میرے نزدیک دونوں قسم کے لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ اسلامی تہذیب اپنی جگہ ایک اٹل، مکمل اور حقیقی وجود رکھتی ہے اسلامی تہذیب دوسری تہذیبوں سے (واسطہ پڑنے پر) متاثر ضرور ہوئی مگر درحقیقت اس کی بنیاد قرآن اور اسوۂ رسولؐ ہے۔ اسلام نے روحانی عقائد اور تعلیمات کے ساتھ ساتھ ایک ایسا ضابطہ حیات بھی دیا ہے جو ہر طور اسی سے وابستہ ہے۔

سوال :- آپ آج کے امریکی کردار کو کس نظر سے دیکھتی ہیں؟

جواب :- میں امریکہ کی شہری ہوں اور قریب تین عشروں سے پاکستان میں مقیم ہوں اپنے اس طویل قیام کے دوران میں اپنے آبائی وطن کی خارجہ پالیسی کا بھی جائزہ لیتی رہی ہوں میں بڑے افسوس کے ساتھ کہوں گی کہ امریکہ جو پوری دنیا میں آزادی اور انصاف کا علمبردار بنا ہوا ہے خود ہی ان اصولوں کا خون کرتا چلا آرہا ہے اور اپنی مقصد برآری کے بعد اپنے پرانے حلیفوں تک کو دشمن بنانے کی روش پر گامزن رہا ہے۔ یہ دو رخا پن پوری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے پاکستان کے خلاف حالیہ پابندیاں اہل پاکستان کی امریکہ سے بیزاری کا باعث بن رہی ہیں اور امریکی یہود نوازی نے صرف انہی کو نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس کے خلاف مشتعل کر دیا ہے۔

سوال :- آج عالم اسلام جس کثرت انتشار، فکر و عمل اور نوع در نوع مشکلات سے دوچار ہے آپ کے نزدیک ان سے نجات پانے کی کیا سبیل ہو سکتی ہے؟

جواب :- آج ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جب الحاد اور مادہ پرستی کی قوتیں اسلام اور اہل اسلام کو کچل ڈالنے کے درپے ہیں۔ وہ اسلامی تحریکات کی جانی دشمن بن چکی ہیں ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ مسلم حکمران بھی غیر مسلموں کی ان سازشوں میں آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کا اسلام محض زبانی جمع خرچ بن کر رہ گیا ہے۔ اسلام کے نام لیواؤں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے جبکہ عیسائی مشنریوں کو سرگرمیوں کی عام اجازت ہے مسلم ممالک میں شراب کھلے عام فروخت ہو رہی ہے دوسری طرف علماء کی طرف سے اتحاد و اخوت کی کوششیں نہیں کی گئیں۔ جس کے نتیجے میں جدید دنیا میں انتشاد، ڈیپریشن (DEPRESSION) اور ذہنی انتشار بہت بڑے مرض کی شکل اختیار کر رہا ہے سائنس اور ٹیکنالوجی جتنی سرعت سے روبہ ترقی ہے اور یورپ و امریکہ جس تیزی سے عالمی کردار اور معاشی برتری حاصل کر رہے ہیں عالم اسلام کے خلاف سازشیں بھی اسی رفتار سے بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔

ان حالات میں اہل اسلام کی بیداری کی اشد ضرورت ہے۔ ہم ایک ایسے نازک مرحلے پر ہیں کہ انتہائی حاضر دماغی اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے اپنے عالمی کردار کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے عقائد و معاملات کے لئے غیر ثقافت کی چھتری ہمیشہ ناموزوں اور نقصان دہ رہی ہے اس لئے بلاد اسلامیہ میں اسلامی حکومتوں کا قیام از بس ضروری ہے۔ جہاں تک مشکلات و مسائل کا تعلق ہے تو یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ اسلام کی رو سے زندگی ایک کڑی آزمائش کا نام ہے جس کے نتائج ہم اسی دنیا میں دیکھ لیں گے۔ مگر ان نتائج کو اپنے حق میں لانے کے لئے مستحکم ایمان کے حامل افراد کی ضرورت ہے۔ مصائب و آلام قوموں کی زندگیوں میں کوئی فیصلہ کن اہمیت نہیں رکھتے' جاندار کردار ان کی بالادستی اور برتری کا فیصلہ کرتا ہے۔ خود قرآن اس کا گواہ ہے۔

" ہم تمہیں آزمائش سے دوچار کریں گے' خوف' بھوک' نقص اموال و جان اور ثمرات کی آزمائش میں ڈال کر آزمائیں گے۔ خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو صبر کی روش اختیار کرتے ہیں۔"

عبدالبر اثری فلاحی

توجہ مطلوب ہے — طالبان علم سے

"..... مدرسے کی زندگی میں چند مہینے ہی گذارنے کے بعد مجھے اس سے اتنی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی کہ چھٹی کا دن مجھ کو سخت ناگوار ہوتا تھا اور جب لمبی چھٹیاں آتی تھیں تو پہلے ہی سے ہم چند لڑکے آپس میں یہ پروگرام طے کر لیتے تھے کہ روزانہ ایک جگہ جمع ہوا کریں گے، مل کر کچھ مطالعہ کیا کریں گے اور مل کر ہی تفریح بھی کریں گے۔" (ہماری کتاب ج ۵ صفحہ ۳۵ مضمون: "میرا بچپن" از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

یہ مولانا مودودی علیہ الرحمۃ کی خود نوشت سوانح حیات کا ایک اقتباس ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے زمانہ طالبعلمی کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ میں آج کے طالب علموں سے یہ چاہوں گا کہ وہ ذرا اپنی کیفیات اور سرگرمیوں کا اس اقتباس کی روشنی میں جائزہ لیں۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آج طالب علموں کیلئے چھٹی باعث مسرت ہوتی ہے۔ جب کہ مولانا علیہ الرحمۃ کیلئے "سخت ناگوار" ہوتی تھی۔ آج جیسے ہی چھٹی قریب آتی ہے اور اسکا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ فوراً ہی کھیل کود اور گھومنے پھرنے کے منصوبے بننے لگتے ہیں اور چھٹیوں میں پڑھنے لکھنے یا مطالعے کا خیال تک نہیں آتا۔ بلکہ بے مقصد بات چیت اور کاموں میں سارا وقت گذر جاتا ہے۔ جبکہ مولانا علیہ الرحمۃ تنہا نہیں ساتھیوں کے ساتھ مل کر یہ پروگرام طے کیا کرتے تھے کہ "روزانہ ایک جگہ جمع ہوا کریں گے، مل کر کچھ مطالعہ کیا کریں گے اور مل کر ہی تفریح بھی کریں گے۔" دیکھئے مولانا کے یہاں چھٹی کے ایام میں بھی مطالعہ کرنے کی اہمیت اور افادیت حاصل تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کا یہی ذوق مطالعہ اور یہی لمحہ وقت کی قدر و قیمت کا احساس تھا جس نے انھیں علامہ بنا دیا۔ اور آج پوری دنیا ان کے علم و عمل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی ہے۔ لہذا اگر ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ہم دنیا کو کچھ دے جائیں۔ تو ہمیں بھی اپنی موجودہ روش چھوڑ کر وہ صفات پیدا کرنی ہوں گی جو مولانا کی تھیں ورنہ "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کہنے کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ امید کہ توجہ دیں گے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ (ہود: ۸۸)

میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک بھی میرا بس چلے اور میرا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔

ابن العلم فلاحی کے قلم سے

اخبار علمیہ

دنیا کی سب سے قیمتی کتاب

دنیا کی سب سے قیمتی کتاب قرآن شریف کی وہ کاپی ہے جو فی الوقت افغانستان کے ایک امیر کے پاس ہے۔ یہ اسے شاہ فارس سے بطور تحفہ ملی تھی۔ اس قرآن شریف میں سادے صفحات طلائی کاغذ کے ہیں۔ اس میں ۸۰۰ جواہرات جڑے ہوئے ہیں جن میں ۶۷ موتی ۲۳ لعل اور ۶۰۱ ہیرے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اس کا ہدیہ تقریباً پانچ لاکھ روپیوں کے برابر ہے۔ (ماہنامہ صوت الاسلام ج ۳ ش ۱۲ دسمبر ۱۹۹۱ء ص ٹائٹل کا اندرونی)

چالیس من وزنی قرآن مجید

اسلام آباد فیصل مسجد میں رکھا جانے والا چالیس من وزنی قرآن مجید کا نسخہ خطاطی کے آخری مرحلے میں ہے۔ اس کی تحریر کا کام پاکستان کے نامور خطاط خورشید عالم گوہر قلم انجام دے رہے ہیں۔ اس قرآن مجید کی خطاطی کا افتتاح دس برس قبل صدر ضیاء الحق مرحوم نے ۲۱ مئی ۱۹۸۱ء کو راولپنڈی میں کیا تھا۔ خطاط خورشید عالم نے آیات کی تحریر کے لئے ۱۴۰۶ اقسام خط استعمال کئے ہیں، جن میں قدیم ترک، مصری، ایرانی نستعلیق اور پرویزی نستعلیق قابل ذکر ہیں۔ اس نسخہ کو دیکھ کر ممتاز محقق ڈاکٹر مارٹن لنگز نے کہا "قرآن مجید کا یہ شاہکار واقعی شاہکار ہے اور یہ تاریخ خطاطی میں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہوگا۔"

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ جنوری ۱۹۹۲ء ص ۶)

عربی انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں تفسیر والے قرآن پاک کی اشاعت

عمان متحدہ عرب امارات کی رکن امارات عمان میں حال ہی میں ایک ایسا قرآن پاک شائع ہوا ہے جس میں عربی، انگریزی اور فرانسیسی زبان میں تفسیر بھی شامل ہے۔ ۱۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ جلد

عمان میں امارات کی ایک عدالت کے مشیر ڈاکٹر محمود حقی نے ۲۰ سال کی محنت کے بعد شائع کی ہے۔ ڈاکٹر حقی نے کہا ہے کہ انھوں نے قرآن پاک کی تفسیر میں جدید و قدیم تشریحات سے مدد لی ہے۔ قرآن پاک کے اس نسخے کی اشاعت کے لئے تمام اخراجات سپریم کونسل کے رکن اور عمان کے حکمراں شیخ حمید بن راشد النعیمی نے برداشت کئے ہیں۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ جنوری ۱۹۹۲ء)

ایک قدیم لغت کی از سر نو اشاعت

حال ہی میں ادارہ ایشین ایجوکیشنل سروسز نے انگریزی، اردو اور ہندی کا ایک قدیم لغت از سر نو شائع کیا ہے، جس کو انیسویں صدی کے وسط میں بنارس کے کوئنس کالج کے ایک استاد متھرا پرساد مسرا نے اس لئے مرتب کیا تھا کہ انگریزی حکومت میں کالجوں، یونیورسٹیوں اور عدالتوں میں انگریزی زبان کی ضرورت و اہمیت بڑھ گئی تھی اور یہ اس وقت کے طلبہ، اساتذہ اور وکلاء کے لئے کارآمد ہو۔ اس وقت اسے کسی بھی اینگلو ہندوستانی لغت سے بہتر سمجھا جاتا تھا، مترادف الفاظ، توضیحی حواشی، معانی کے ساتھ تلفظ اور صرفی و نحوی استعمال کی علامتوں کو ایجاز و اختصار سے ظاہر کیا گیا تھا۔ اصل کتاب ۱۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے اس کے علاوہ ۴۰ صفحات میں انگریزی میں رائج ان لفظوں کا ذکر ہے جو لاطینی، یونانی اور دوسری زبانوں کے ہیں۔

(ماہنامہ معارف ج ۱۴۸ عدد ۶ دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۴۵۱-۴۵۲)

تنبیہ :-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ شیطان اور شیطانی کاموں سے بچانے والی ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو زبان سے فحش بات نہ نکالے نہ شور ہنگامہ کرے، اور اگر کوئی اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑائی پر آمادہ ہو تو روزہ دار یہ سوچے کہ میں تو روزہ سے ہوں اور میرے لئے مناسب حال یہ نہیں ہے کہ گالی اور لڑائی کروں۔
(بخاری و مسلم)

ترجمانی: ابن عبد الرحمن فلاحی

"المنجد" میں نصرانی میلانات

النزعة النصرانية في قاموس المنجد

تالیف۔ الدکتور ابراہیم عوض

"المنجد" مشہور و معروف سہل الاستعمال عربی لغت ہے۔ بیشتر طلبہ اور اہل علم بوقت ضرورت اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عموماً اسی لغت کا انتخاب کرتے ہیں۔ شاید ہی ہمارا کوئی کتب خانہ اس سے خالی ہو، اس کی تالیف تین عیسائیوں۔ فواد افرام بستانی، بطرس بستانی اور ھنری فیلیش نے کی ہے، علوم عربیہ اور فلسفہ کے الفاظ کو دوسرے دو عیسائیوں حمید موران اور سلیم وکاش نے ایڈٹ کیا ہے۔ لیکن یہ منجد اپنی تہوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر ہلاہل رکھتا ہے۔ اس میں ہر جگہ عیسائی جذبات وخیالات اور شعائر کی ترجمانی و تفسیر کا عکس نظر آتا ہے۔ اسلامی شعائر کا اس میں بالکل ہی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اس کی طرف سرسری اشارہ کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ قرآنی آیات تک کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔ کہیں کچھ حذف کر دیا گیا ہے تو کہیں تقدیم و تاخیر سے کام لیا گیا ہے۔ ہاں جو آیات عیسائی عقائد سے متعلق ہیں ان کی بہت ہی تفصیل سے تشریح کی گئی ہے اور بعض کی تحلیل بھی اپنے مفاد کے پیش نظر بہت خوشنما انداز میں کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم عوض معروف اسلامی دانشور ہیں، موصوف جامعہ ام القریٰ میں پروفیسر ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب "المنجد میں عیسائی میلانات" میں المنجد کے اندر پائی جانے والی عظیم غلطیوں۔ غیر اسلامی رجحانات اور مذہبی تعصب جو در اصل نصرانیت کے غماز ہیں، کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے یہ چیز کسی بھی نوخیز مسلم کے فکر کو غلط راستے پر ڈال سکتی ہے۔ جس کی عقل ان فاسد اور نقصان دہ افکار کی تمیز نہیں کر سکتی۔

مولف موصوف نے مطالبہ کیا ہے کہ ایک اسلامی المنجد کی تالیف کی بنا ڈالی جائے جو کہ طلبہ اور نوخیز ذہنوں کے لئے معاون ہو جس کے ذریعہ وہ اسلامی افکار و عقائد اور اسلامی مفاہیم سے متعلق آسودگی حاصل کر سکیں۔ اور اس نصرانی المنجد کو ہمارے مکتبوں سے بالکل غائب کر دیا جائے جو ہمارے لئے نفع بخش کم لیکن نقصان دہ زیادہ ہے (التضامن الاسلامی۔ ستمبر ۱۹۹۱ء)

محمد الیاس اختری فلاحی

تعارف وتبصرہ

نقوش وتاثرات

از مولانا جلیل احسن ندویؒ صفحات: ۲۰۲، قیمت ۸ روپے کتابت وطباعت (عمدہ)
ناشر: ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۲ فون نمبر ۸۱۶۰، ۸۱

ملنے کے پتے: ۱۔ " " " " "

۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی چتلی قبر دہلی نمبر ۶

مولانا جلیل احسن ندویؒ ایک بلند پایہ عالم دین، خوش بیان خطیب، بہترین معلم و مربی اور شگفتہ اسلوب نگارش کے حامل صاحب قلم تھے۔ انہیں قرآن وسنت سے گہرا لگاؤ تھا اور ان پر گہری نگاہ بھی رکھتے تھے جس کا واضح ثبوت مولانا کے مرتب کردہ احادیث کے مجموعے ــــ زاد راہ، راہ عمل، سفینۂ نجات ــــ ہیں جو انتہائی مقبول ہوئے۔ اسی طرح مشہور تفسیر "تدبر قرآن" پر نقد و استدراک کی تحریریں ہیں جو "تدبر قرآن پر ایک نظر" کے نام سے ماہنامہ زندگی رامپور میں شائع ہو چکی ہے گرچہ کام ادھورا ہی رہ گیا تھا، لیکن پھر بھی اس کے اندر بہت سے نایاب گوہر ہیں۔

جامعۃ الفلاح کو یہ شرف حاصل ہے کہ ابھی تک مسند تدریس پر مدت دراز تک مولانا جیسے علم جلوہ افروز رہے بلکہ جامعہ کے تعلیمی وتربیتی خاکہ میں بہت کچھ رنگ آپ ہی نے بھرا تھا کیوں کہ ابتدائی ادوار میں آپ جامعہ کے ناظم تعلیمات رہ چکے ہیں اور صدر مدرس بھی رہ چکے ہیں۔

آپ تحریک اسلامی کے قائدین میں سے تھے۔ متعدد مختلف ذمہ داریاں بھی سنبھالی

تھیں بعد میں جسمانی معذوری کی وجہ سے سبک دوش ہو گئے تھے لیکن اخیر عمر تک متعلق رہے اور فکری غذا پہنچاتے رہے چنانچہ آپ کے دروس قرآن وحدیث کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔

چونکہ تعلیم وتصنیف ہی آپ کا محبوب مشغلہ تھا اس لئے برابر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ جو برابر مختلف رسائل وجرائد میں چھپتے رہے۔ یہ بھی مضامین ومقالات ایک قیمتی علمی سرمایہ ہیں۔ جن کی اہمیت وقدر وقیمت کا تقاضا ہے کہ انہیں کتابی شکل میں منظر عام پر لایا جائے۔ الحمد للہ ادارہ علمیہ کے ذمہ داروں نے اسے محسوس کیا ہے اور اس کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے جس کی واضح مثال یہ کتاب "نقوش وتاثرات" ہے کیونکہ یہ کتاب انہیں قیمتی مضامین میں سے چند مختلف مضامین کا مجموعہ ہے لیکن جس تیز رفتاری اور تندہی سے یہ کام ہونا چاہیے وہ دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے کیونکہ اسی کتاب کے آخری صفحہ پر "زاد سفر" اور "تدبر قرآن پر ایک نظر" کے نام سے دو مجموعوں کے سلسلے میں لکھا ہے "زیر طبع" ــــ لیکن اب تک طباعت کے مرحلے سے گذر کر عام لوگوں تک نہیں پہنچ سکی ہے جب کہ خود اس کتاب کو شائع ہوئے دو سال ہو چکے ہیں جیسا کہ سال اشاعت ۱۴۲۱ھ درج دکھایا گیا ہے۔

زیر تعارف کتاب میں سب سے پہلا مضمون مایہ ناز مفسر قرآن حضرت مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کے علم وفضل اور طریق تعلیم وتربیت پر ہے۔ دوسرا علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا مودودیؒ وجماعت اسلامی کی فکری ہم آہنگی کے اثبات میں ہے۔ تیسرا مضمون مدیر ذکریٰ محترم مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی کی جانب سے تحریک اسلامی اور مولانا مودودی کے بارے میں کئے گئے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ آخر میں "ایک ضروری وضاحت" کے عنوان سے "نماز بذات خود مطلوب ہے۔ یا اس سے بڑے مطلوب کے حصول کا ذریعہ" جیسے نازک اور مختلف فیہ پہلو پر ایک نفیس بحث ہے۔

یہ کتاب طالبان علم دین، علماء کرام اور وابستگان تحریک اسلامی کیلئے یکساں طور پر مفید ہے انہیں اسکا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ اس کے حقیقی افادیت کا واقعی اندازہ تو پڑھنے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے البتہ عقلمنداں را اشارہ کافی است کے اصول پر چند اقتباسات نقل کرتا ہوں۔

(۱) مولانا اختر احسن صاحب کی مسئولیت کی شدت احساس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ستمبر کا ایک ضلعی اجتماع کے موقع پر ان کے رخصت ہو جانے کے بعد کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے ایک نشست ہوئی۔ ذمہ دار اصحاب کے جائزے سے صرف یہ بات سامنے آئی کہ چند پیالیاں بدل گئی ہیں اس پر متعلقہ صاحب سے کہا گیا کہ چائے کی چند پیالیوں میں جب ہم امانت نہیں کر سکتے تو دین کی اقامت کیسے کر سکیں گے۔" صفحہ

(۲) مولانا ہی کے بارے میں طلبہ کو مطالعہ کی طرف رغبت دلانے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وہ طلبہ سے کہتے تھے، تمہیں اپنی روٹی اپنے ہاتھ سے پکانی ہے آگ تم جلاؤ، آٹا تم گوندھو اور روٹی تم پکاؤ، اچھی پکائی ہوئی روٹی کتنی لذیذ معلوم ہوتی ہے ہو سکتا ہے کہ تمہاری روٹی کچھ دنوں تک پاپڑ بھی بیٹھی نکلے اور ممکن ہے جگہ جگہ جل بھی گئی ہو لیکن اچھی روٹی ہو بہرحال اپنی روٹی ہے۔ وہ تمہاری محنت کا ثمرہ ہے ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ روٹی مطلوبہ سائز پر سیدھی نکلے گی اور جلنے سے بھی محفوظ ہو جائے گی تب جب تم اسے کھاؤ گے تو اس کو بہت لذیذ پاؤ گے۔" اسی طرح محنت تمہیں حل کرنا ہو گا عربی دانی کی مشکلات پر نہیں تالو پانے کی کوشش کرنی ہو گی جب کچھ دنوں الجھنوں سے بھرا ہوا یہ کام کر ڈالو گے اور استاد بتائے گا کہ تم نے جو مفہوم سمجھا ہے وہ ٹھیک ہے تو تمہیں اتنی مسرت ہو گی گویا بہت بڑی دولت تم نے پالی اور پھر پڑھی ہوئی کتاب جب تمہیں پڑھانے کیلئے دی جائے گی تو بہت مدد ہو گے" صفحہ ۱۱

(۳) تفہیم القرآن کے سلسلہ میں یہ سوال کئے جانے پر کہ "کیا علماء اور عربی لغات سے استفادہ کر سکنے والے اہل علم اس سے بے نیازی دکھانے میں حق بجانب ہیں؟" کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں "قرآن کے طلبہ کو اس سے ... اور سب تفسیروں سے استفادہ کرنا چاہئے اور آنکھ کھول کر استفادہ کرنا چاہئے۔ اندھی بھینگی آنکھوں سے نہیں ہر تفسیر کا اپنا اپنا رنگ ہے ہر پھول کی خوشبو جدا ہے مطالعہ قرآن میں طالبان قرآن کو شہد کی مکھی کی طرح ہونا چاہئے جو ہر پھول سے رس چوستی ہیں اور مکھی کی طرح نہیں ہونا چاہئے جو صرف گندگی سے دلچسپی رکھتی ہے اور خبردار اگر سلف کی کوئی رائے کمزور معلوم ہو تو ان کی تحقیر ہرگز نہ کیجئے آپ کے سامنے ان کے حوالے سے صرف ان کی رائے آئی ہے کن

وجوہ سے انہوں نے یہ رائے اختیار کی، ان کے دلائل آپ کے سامنے نہیں آئے ہیں آپ خود وہ رائے دیکھیں لیکن تحقیر و استخفاف صاحب تفسیر کی ہرگز نہ کیجئے۔" صفحہ ۶۲-۹۳

چند قابل توجہ امور

(۱) یہ مضامین پہلے کب کہاں شائع ہوئے تھے اس کا ذکر بھی ہونا چاہئے۔

(۲) مولانا محترم نے بطور خاص انٹرویو میں مختلف اقتباسات مختلف مزدوروں سے نقل کئے ہیں لیکن عام طور سے اصل مراجع کا حوالہ نہیں ہے اس خلا کو بھی پر کر دیا جانا چاہئے تاکہ حسب ضرورت قاری اصل کی طرف بھی رجوع کر سکے۔

(۳) ص پر مولانا نے لکھا ہے "مولانا فراہی نے ایک مختصر نوٹ طریقہ تدریس پر لکھا ہے جو "الاصلاح" میں شائع ہو چکا ہے" اور آگے پھر اس کا خلاصہ بیان فرمایا ہے گرچہ وہ باتیں اپنی جگہ بالکل درست ہیں۔ اور فکر فراہی کے عین مطابق ہیں لیکن "الاصلاح" کی تمام فائلیں بالاستیعاب دیکھ لینے کے باوجود ہمیں وہ نوٹ نہیں مل سکا لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مزید جستجو کے بعد اگر یہ بات محقق ثابت ہو جائے کہ "الاصلاح" میں وہ نوٹ نہیں موجود ہے تو پھر اس عبارت کی اصلاح ہو جانی چاہئے

(۴) آخر میں ایک گزارش "ادارہ علمیہ" کے ذمہ داران سے یہ بھی ہے چونکہ اس ادارے کے قیام میں اہم اور بنیادی رول مولانا محترم ہی کا ہے بلکہ کافی دنوں تک آپ اس کے ذمہ دار بھی رہے ہیں اس لئے انہیں مولانا کی سوانح حیات کی ترتیب اور ان کے ادھورے کاموں کی تکمیل کی طرف بھی فوری توجہ کرنا چاہئے۔ اور اگر کسی وجہ سے ادارہ اسکا متحمل نہیں ہو سکتا تو پھر میں علامہ کے "روحانی بیٹوں" سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آگے بڑھیں اور اس کام کو جلد از جلد انجام دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مولانا فراہی کے "وارثین" کی طرح آپ بھی مورد الزام قرار دیئے جائیں۔

ضروری اعلان

تبصرے کیلئے کتاب کی دو کاپیاں بھیجنا ضروری ہے ورنہ کتاب پر تبصرہ شائع کرنے سے ادارہ معذور ہو گا۔

منیجر

الوداعی نظم

ابوالحسن خان راشد
نصیرپوری
متعلم عربی ہفتم جامعۃ الفلاح

سوچ کر جس کو کلیجہ منھ کو آتا ہے میرا
آہ وہ سر پر گھڑی ہے دل دھڑکتا ہے میرا
غم یہ اتنا شاق ہے، سینہ پھٹتا ہے میرا
ہائے مجھ پر آج یہ کیسی مصیبت آگئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

دیکھو منظر اور جاوید و قمر غمگین ہیں
اشک خوں سے آنکھیں عبد الرب کی بھی رنگین ہیں
اے وسیم احمد یہ لمحے کس قدر سنگین ہیں
یہ جدائی کی گھڑی بن کر قیامت آگئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

کیوں مبین افروز کے چہرے پہ یوں چھایا ہے غم
عالم و ادریس کی آنکھیں ہوئی ہیں دیکھو نم
دے رہے ہیں تو ایک سو داغ ہائے رنج و غم
چہرۂ شاداب نذرل پہ اداسی چھا گئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

ہو گئی نظر الحسن الیاس پر طاری غشی
ہو گئی غفران و رحمان کی حالت بھی بری
اب جمال احمد نسیم اختر کی جوڑی چھٹ گئی
کیا غضب یہ ہو گیا، کیا مصیبت آگئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

سر جھکائے ایک طرف ارشاد ہیں بیٹھے ہوئے
درد بیتابی میں ہیں ارشد بھی کچھ ڈوبے ہوئے
بے بسی سے ہیں نصیر احمد ہر اک کو دیکھتے
بزم شاداں پہ یہ کیسی بے بسی سی چھا گئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

رو رہے زیبائے شکیل احمد علی ... روتا ہوا
لگ رہا ہے گوشہ گوشہ باغ کا اجڑا ہوا
روح میں جاں میں ہے کوئی شور سا برپا ہوا
آرزو کی ہر کلی کیوں خاک جل کر ہو گئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

شام غم آئی اداسی کے اندھیرے چھا گئے
کوچۂ جاں میں شرارے ابر غم برسا گئے
اے حفیظ بے بدل کس موڑ پہ ہم آ گئے
ریاض تم کو چھیننے آخر مشیت آگئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

راشد محزوں ترستا چشم عنایت کے لئے
طاہر مدنی نظام الدین رحمت کے لئے
روئے جی بھر کر صغیر خوش بصیرت کے لئے
چھٹ گئے استاد سارے کیا گھڑی یہ آگئی
بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

درگزر کرنا ہماری سب خطا اے دوستو!
یاد رکھنا تم خدا کو بھی سدا اے دوستو!
مت تفوّق کو کبھی نہ بھولیں باخدا اے دوستو!
چھوٹ گئے عبد الحسیب ایسی گھڑی کیا آگئی

بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

سب ہیں مرد عقل و دانش اور سراپا عز و جاہ
جن کے سر پر زیب دیتی ہے متانت کی کلاہ
یعنی یہ استاد سارے پاک طینت خوش نگاہ
اب لپٹ کر ان سے بھی رونے کی ساعت آگئی

بزم خواب یار میں یہ کیسی آفت آگئی

بُشریٰ

عرصۂ دراز سے والد ماجد مولانا شبیر احمد ازہر صاحب میرٹھی مدظلہٗ
تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری کی تالیف میں لگے ہوئے ہیں۔
یہ شرح بڑی سلیس و دلکش اور فصیح عربی زبان میں ہے
حدیث فہمی کے دروازے کھولنے والی اس بلند پایہ تحقیقی کتاب کا جزو اول انشاءاللہ تعالیٰ
جلد ہی طبع ہو کر منظر عام پر آرہا ہے
تفسیر مفتاح القرآن سورۃ الانعام کی کتابت بھی ہو رہی ہے تشنگانِ علم کو
تفسیر مفتاح القرآن ہی سیراب و مطمئن کر سکتی ہے۔

عبد الغفار ازہری

ناظم مکتبہ ازہریہ رادھنہ ضلع میرٹھ۔ یوپی

ڈاکٹر خلیل احمد
ناظم جامعہ

بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں

آج کے طوفانی دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کی یلغار ہے اور اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں، اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا ہے، ایسے پُرآشوب دور میں "جامعۃ الفلاح" ان چیلنجوں کا ایک پرعزم جواب ہے جہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کی اس انداز سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے کہ ان کے اندر کتاب و سنت کا گہرا علم پیدا ہو اور اسلامی اخلاق و کردار سے آراستہ ہوں، عصر حاضر کے افکار و نظریات سے واقفیت ہو اور ان کے اندر احیائے دین و شہادت حق کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ وہ وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح اور دعوت اسلامی کے لئے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر سکیں

نیچے جامعہ کے نمائندوں اور ان کے حلقہ کار کی فہرست دی جا رہی ہے۔ براہ کرم بہی خواہان جامعہ ان کے ساتھ اپنی دلچسپیوں اور ہمدردی کا ثبوت دیں

(۱)	جناب مولانا صغیر احسن صاحب	کانپور
(۲)	" " نعیم الدین "	کلکتہ آسنسول
	" ماسٹر سراج احمد "	
(۳)	" " مولانا عمران "	مئو
(۴)	" " اظہار احمد "	حیدرآباد کرناٹک ۔ مدراس۔
	" " نور محمد "	
(۵)	" " محمد اسمٰعیل "	مظفرپور۔ سیوان۔ کلکتہ۔ بردوان
(۶)	" حافظ احسان الحق "	اندور۔ اجین۔

(۷)	جناب مولانا امیر الحسن صاحب	سنبھل۔ بدایوں۔ گگرالہ۔
	〃 حسیب احمد 〃	
(۸)	جناب مولانا انیس الحسن صاحب	احمد آباد۔ نڈاسا۔ برودہ۔ سورت واپی وغیرہ
	〃 〃 عبدالکریم 〃	
(۹)	〃 〃 جلال الدین 〃	بھاگل پور۔ پٹنہ۔ مونگیر۔
(۱۰)	〃 〃 جمیل احمد 〃	دہلی۔ میرٹھ۔ غازی آباد۔ سہارنپور
	〃 ماسٹر توفیق احمد 〃	
(۱۱)	〃 مولانا عرفان احمد 〃	بھیونڈی۔ کلیان۔ دھلیا۔ مالیگاؤں ناسک۔ کسارہ۔
	〃 ماسٹر حنیف 〃	
۱۲	〃 مولانا امیر فیصل 〃	کرلا۔ ساکی ناکہ۔ گھاٹ کوپر۔ وکرولی۔ بھانڈوپ۔ گوونڈی۔ چمبور۔ مرول ناکہ خیرانی روڈ۔ چکالہ۔ شیواجی نگر۔ بیگن واڑی۔ سلاتی واسن۔ واکولہ
	〃 〃 مشتاق احمد 〃	
۱۳	〃 شیخ اخلاق احمد 〃	ورے روڈ۔ ماہم۔ دھاراوی۔ سائن۔ باندرہ۔ سانتا کروز۔ ولے پارلے۔ اندھیری جوہو گلی۔ جوگیشوری۔ گورے گاؤں۔ کاندیوی۔ گنیش نگر۔ ملاڈ۔ بوریولی۔ پونہ
	〃 مولانا زرتاج احمد 〃	
(۱۴)	〃 ماسٹر عبدالمالک 〃	مدنپورہ۔ بائیکلہ۔ بھنڈی بازار۔ بوری بندر قلابہ۔ گرانٹ روڈ۔ بمبئی سنٹر۔ سات راستہ ڈونگری۔ دادر۔ ٹیمکر۔ کماٹی پورہ۔ چوکی محلہ ہمرا اسٹریٹ۔ جے جے ہاسپٹل۔ روناگی جیراج گلی۔ عرب گلی۔ مومن پورہ۔ بدپورہ کاٹن گرین۔
	〃 〃 محمد خالد 〃	

(۱۵)	جناب قاری محمد شمیم صاحب	بل گاؤں۔ مجھاولی۔ [illegible]
	〃 حافظ عطاء اللہ 〃	ملکاپور۔ اکولہ۔ اورنگ آباد۔ [illegible] ضلع بلیا
(۱۶)	〃 مولانا عبدالرحمن خالد 〃	راجستھان
(۱۷)	〃 〃 محمد فاروق صاحب	
	〃 شکیل احمد 〃	
(۱۸)	〃 〃 بابو شہنواز احمد 〃	اعظم گڑھ شہر۔
(۱۹)	〃 ماسٹر علی انور بیگ 〃	سرائمیر۔ پھولپور۔ کراکت۔ الہ آباد۔
	〃 ہارون رشید 〃	جون پور۔ مہراج گنج۔
(۲۰)	〃 〃 نظام الدین 〃	گورکھپور۔ ضلع بستی۔ ضلع گونڈہ۔ بہرائچ۔
(۲۱)	〃 〃 منشی محمد سہیل 〃	بنارس۔ لکھنؤ۔ کانپور۔ بریلی۔ رامپور۔
(۲۲)	〃 محسن صاحب، سفیر جامعہ	فیض آباد۔ ٹانڈہ۔ سلطانپور۔ وغیرہ
(۲۳)	〃 انوار احمد 〃 〃 〃	دیوریا۔ ناگپور۔ جبل پور۔ سیونی۔ چھندواڑہ

فارم ۴

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو

مقام اشاعت:	بلریاگنج اعظم گڈھ۔
وقفہ اشاعت:	ماہنامہ
مالک:	انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ
پرنٹر پبلشر:	نور محمد جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ
ایڈیٹر	نور محمد، جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ

میں نور محمد پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا وضاحتیں میرے علم و اطلاع کے مطابق صحیح ہیں۔

نور محمد

نور محمد علاقی
سکریٹری انجمن طلبہ قدیم

جامعہ کے لیل و نہار

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ملت اسلامیہ کی کوششوں اور مخلصین و ہمدردان کے تعاون سے جامعہ نے اپنا ایک اور تعلیمی سال مکمل کرلیا ہے اگرچہ یہ سال جامعہ کیلئے بڑی آزمائشوں و مشکلات کا تھا مگر اس کے باوجود جامعہ کے مختلف پروگراموں اور دیگر کاموں میں کوئی فرق نہیں آیا اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

جامعہ کے تعلیمی سال کا آخری مہینہ شعبان ہے۔ اس آخری وقت میں طلبہ و اساتذہ تعلیم و تعلم میں مصروف تو ذمہ داران جامعہ اس کی تعمیر و ترقی اور آئندہ کے منصوبے میں مشغول۔ یہ وہ مہینہ ہوتا ہے جس میں ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے آس پاس کے طلبہ بھی آکر قیام کرتے ہیں اور راتوں کو جاگ کر امتحانات کی تیاری کرتے ہیں

جامعہ کے وفود کی روانگی جامعہ یہ کوشش کرتی ہے کہ اسلام کا صحیح فہم عام ہو چنانچہ نہ صرف یہ کہ جو بچے اس کے اندر زیر تعلیم ہیں ان کی صحیح تعلیم و تربیت کرے بلکہ اس کے لئے ملک کے مختلف علاقوں میں شاخیں بھی قائم کرتی ہے اور ذمہ داران وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ماہ جامعہ سے دو وفود روانہ ہوئے۔ ایک وفد نائب ناظم اور کچھ اساتذہ پر مشتمل تھا جس نے مدرسہ مصباح العلوم چوکنیاں ضلع بستی کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی اور عوام سے خطاب کیا دوسرا وفد صدر جامعہ اور کچھ اساتذہ پر مشتمل تھا جس نے الجامعۃ الاسلامیہ تلکھنا بستی کے جلسہ میں شرکت کی اور لوگوں سے خطاب کیا۔

جامعہ میں امتحانات ۹ فروری ۹۲ء سے جامعہ کے تمام شعبوں میں سالانہ امتحانات شروع ہوچکے ہیں۔ طلبہ و اساتذہ سبھی امتحانات

دینے اور لینے میں مشغول ہیں۔ اس امتحان میں شرکت کے لئے اس کی شاخوں سے وہ طلبہ بھی آئے ہیں جو وہاں کے آخری درجے میں ہیں ان کے ساتھ وہ اساتذہ بھی ہیں جو ان کی نگرانی کے لئے ان کے ساتھ موجود ہیں۔ انشاء اللہ یہ امتحان ۲۳ فروری کو ختم ہوجائے گا اور طلبہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس امتحان میں کامیاب کرے اور آخری امتحان میں بھی کامیابی سے ہمکنار کرے جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں آمین

اساتذہ کرام ۲۷ فروری ۹۲ء کو تعلیمی وقت کے بعد گھروں کے لئے روانہ ہونگے اور ۲۸ فروری ۹۲ء سے باقاعدہ تعطیل کلاں شروع ہوگی اور دوبارہ جامعہ ۲ اپریل ۹۲ء کو اگلے تعلیمی سال کے لئے کھل جائے گی۔ انشاء اللہ

۲۶ جنوری گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی ۲۶ جنوری کو تعلیم بند رہی اور طلبہ و اساتذہ پر مشتمل ایک پروگرام ترتیب پایا جمعیۃ الطلبہ کے ذمہ داروں نے پروگرام کو اچھے انداز سے چلایا انھوں نے ترانے اور مختلف تقریریں کیں جس میں ۲۶ جنوری سے متعلق اور دستور ہند کے بارے میں اپنی اپنی رایوں کا اظہار کیا۔ آخر میں مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی نے دستور کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنے امت پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کی تعلیم کو بندگان خدا تک پہنچانے پر زور دیا۔

مہمانوں کی آمد جامعہ کے تعلیمی سال کے آخر میں ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مہمانوں کی ضیافت کا شرف جامعہ کے ذمہ داران کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ امسال بھی بہت سے معزز مہمان آئے جنھوں نے جامعہ کو تفصیل سے دیکھا۔ اساتذہ و طلبہ سے ملاقاتیں کیں۔ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا قریب سے مشاہدہ کیا۔

ان معزز مہمانوں میں محترم محمد ہارون بھائی ممبئی کی آمد نے جامعہ کے منتسبین اساتذہ و ذمہ داران جامعہ کو بے انتہا خوش کردیا۔ موصوف کو جامعہ سے قلبی لگاؤ ہے۔ یہ لگاؤ

نیا نہیں ہے، بلکہ بہت دیرینہ ہے۔ موصوف نے اب تک جامعہ کو قریب سے نہیں دیکھا
تھا بلکہ صرف اس کی تعلیم و تربیت کے بارے میں سنا تھا، اس کے فارغین اور ذمہ داروں سے
ملاقاتیں کی تھیں۔ اس بار موصوف اپنی ساری مصروفیات کو چھوڑ کر دور دراز کا سفر کر کے
جامعہ تشریف لائے اور جامعہ میں دو روز قیام فرمایا۔ آپ نے ذرا بھی آرام نہیں کیا، بلکہ
فوراً ہی جامعہ کی ایک ایک چیز کو دیکھنے کی کوشش کی۔ کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح کی پرانی
عمارتوں کو تفصیل سے دیکھا پھر اس کے نئے کیمپس میں بھی تشریف لے گئے، جہاں بچیوں کے لئے
سارے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ وہاں ۱۸ کمرے ۳۰×۲۰ کے مکمل ہونے کو ہیں۔
اسے دیکھ کر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا۔ پھر جامعۃ الفلاح میں طلبہ کے شعبہ کا معائنہ
کیا۔ ان کے مطبخ، دار الاقامہ اور درسگاہوں میں تشریف لے گئے۔ دوران درس کلاسوں
میں پہنچے اور طرز تدریس و درس کا براہ راست مشاہدہ کیا۔ موصوف کے اعزاز میں تمام
اساتذہ کے ساتھ ایک عصرانہ رکھا گیا جس میں انھوں نے اساتذہ سے اجتماعی ملاقات
پر خوشی کا اظہار کیا، اور خاص طور پر قرآنی تعلیمات کو عام کرنے پر زور دیا بلکہ اساتذہ
سے مشورے بھی لئے کہ کس طرح پیغام ربانی کو عام کیا جائے۔ کیسے قرآن کو بندگان خدا تک
پہنچایا جائے، اور اسے لوگوں کے لئے عام فہم بنایا اور اس پر عمل کرنے کے لئے اکسایا جائے۔
چنانچہ بہت سے اساتذہ نے اپنی رایوں کا اظہار کیا جسے موصوف نے نوٹ فرمایا۔
جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے ایک پروگرام رکھا گیا جس میں سب سے پہلے صدر جامعہ
نے موصوف کا تعارف کرایا۔ اور ان کی آمد پر مسرت و خوشی کا اظہار کیا پھر طلبہ نے
جامعہ کا ترانہ پیش کیا اور اردو، انگریزی، عربی میں تقریریں کیں۔ موصوف بہت خوش ہوئے
اور عربی چہارم کے ایک طالب علم سید ابوبکر صدیق سلمہ کی انگریزی تقریر پر فوراً
ایک سو روپیہ کا انعام دیا۔ موصوف نے طلبہ کو نصیحت کی اور قرآن کی فریاد کا ایک شعر ان کے
سامنے پیش کیا۔ انھیں قرآن کو سمجھنے اس پر عمل پیرا ہونے اور اسے عام کرنے کی تلقین کی۔
دوسرے دن جمعیۃ الطلبہ کے ذمہ داروں کے ساتھ ان کی لائبریری میں ملاقات کی

ان کی کوششوں کو سراہا۔ قلمی رسالوں کو بغور دیکھا۔ ان کے اخبارات و رسائل اور کتابوں
کی فراہمی اور ان سے استفادہ کے لئے مختلف مفید مشورے دیے۔
تیسرے دن روانگی سے پہلے انجمن طلبہ قدیم کے مقامی ممبران کے ساتھ بیٹھنے کا
موصوف نے موقع دیا۔ جامعہ کی تعمیر و ترقی اور اس کی تعلیم و تربیت سے متعلق مفید باتیں
دیں۔ آپ نے بہت سے مفید مشورے دیئے اور ہماری ہمت افزائی کی۔ مجلہ حیات نو کے
آفس کو بھی دیکھا اور اس مجلہ کو عام کرنے اور زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کا مشورہ دیا
ان شاء اللہ ہم ان کے مفید مشوروں پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

فارغ ہونے والے طلبہ کو پارٹی

سال کے آخر میں طلبہ کو جہاں اپنے والدین کے پاس جانے اور اعزہ و اقارب سے ملنے
کی خوشی ہوتی ہے تو وہیں بہت سے طلبہ کو جامعہ چھوڑنے کا غم بھی لاحق ہوتا ہے۔ کچھ تو
وہ طلبہ ہوتے ہیں جو کسی معذوری کی وجہ سے آئندہ تعلیمی سلسلہ قائم نہیں رکھ سکتے، اور
کچھ وہ ہوتے ہیں جو اپنی تعلیم کو مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔ ان آخری دنوں میں ان کی عجیب
کیفیت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جہاں زندگی کے ۱۰، ۱۲ سال کے قیمتی لمحات گذرے ہوں
وہاں سے بے انتہا عقیدت و محبت ہوتی ہے۔ اس کا احساس اس وقت شدید
ہوتا ہے جبکہ اس سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ طلبہ خود انفرادی طور پر ایک دوسرے
کے ساتھ مل بیٹھنے اور اظہار خیال کی فکر کرتے ہیں، وہیں جامعہ کی طرف سے فارغ ہونے
والے طلبہ کے اعزاز میں ایک الوداعی پارٹی دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سال بھی ۹ فروری
کو اس کا نظم کیا گیا جس میں صدر جامعہ اور دوسرے اساتذہ نے خوشی و غم کا ملا جلا
اظہار کیا۔ فارغ ہونیوالے طلبہ کو نصیحتیں کیں اور ان سے اچھی توقعات وابستہ کیں
ان کے لئے دعائیں کیں۔ طلبہ عزیز نے بھی توقعات پوری کرنے کی یقین دہانی کرائی۔
اللہ تعالیٰ علمی میدان میں انھیں کامیاب کرے، انھیں عالم باعمل بنائے۔ اور اپنے
دین کی سربلندی کے لئے ان سے کچھ کام لے۔ آمین

تعمیرات جامعہ

جامعہ میں سال بھر تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا، ہنوز جاری ہے خصوصی توجہ طالبات کے لئے درسگاہوں اور دارالاقامہ اور دوسری ضروریات پر ہے مگر طلبہ کی ضروریات بھی کچھ کم توجہ کی مستحق نہیں ہیں۔ اصل ایک بڑے ہال کی تعمیر شروع ہوئی تھی۔ ابھی صرف اس کے کچھ ستون ہی بن سکے تھے کہ مالی مشکلات کی بنا پر اسے روک دینا پڑا۔ جبکہ کسی بڑے ہال کی شدید ضرورت ہے۔ طلبہ و اساتذہ کے اجتماعی پروگرام کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کاش کہ اہل خیر و ہمدردان جامعہ اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے کسی بھی منصوبہ کی تکمیل میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔

انجمن کی شوریٰ کا اجلاس

اس ماہ انجمن طلبہ قدیم کے مقامی ارکان شوریٰ کے دو اجلاس ہوئے جس میں انجمن و جامعہ سے متعلق گفتگوئیں ہوئیں۔ آئندہ ہونے والے اجلاس عام سے متعلق غور و خوض ہوا۔ انشاء اللہ اس کی شوریٰ کا سالانہ اجلاس ۲۱، ۲۲ فروری کو ہوگا۔

اس ماہ انجمن نے ایک فلاحی کے مخلصانہ تعاون سے ہندوستان کے تقریباً ستر مدارس اور لائبریریوں کو "دینی مدارس اور ان کے مسائل" نامی کتاب (یہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انجمن طلبہ قدیم کے ایک اجلاس کے موقع پر سیمینار میں مختلف مدارس کی طرف سے پیش کئے گئے تھے جواب کتابی شکل میں طبع ہو چکے ہیں) بطور ہدیہ روانہ کی۔ اس کے علاوہ انجمن کی طرف سے کئی ضرورتمند طلبہ کی اعانت کی گئی۔ اسکے لئے انجمن کی یہ خواہش ہے کہ وہ ایک فنڈ مخصوص کرے جس سے طلبہ کی ناگہانی اور بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکے۔

انتظامیہ کا اجلاس

انشاء اللہ ۲۳، ۲۴ فروری کو جامعہ کے ارکان انتظامیہ کا ایک اجلاس ہوگا جس میں گذشتہ کاموں کا جائزہ اور آئندہ کے منصوبوں پر غور و خوض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جامعہ کو ہر پہلو سے ترقی دینے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

مولانا ممتاز احمد اصلاحی کو صدمہ

ولا تدری نفس ماذا تکسب غدا
ولا تدری نفس بای ارض تموت

محترم مولانا ممتاز احمد صاحب اصلاحی رکن انتظامیہ و عاملہ جامعۃ الفلاح کے جواں سال صاحبزادے اور برادر انوار احمد فلاحی کے منجھلے بھائی وقار احمد حال مقیم جدہ ۲۷ جنوری کو ایک کار کی ٹکر سے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم کا جسد خاکی پورے وقار کے ساتھ ان کے گھر موضع چکیا اعظم گڑھ لایا گیا اور ۹ فروری کو ساڑھے دس بجے دن میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور ان کے جسد خاکی کو سپرد خاک کردیا گیا۔ اس حادثہ کو سن کر برادر انوار احمد فلاحی قطر سے آئے اور ان کے تمام بھائی اور دوسرے اعزہ و اقربا بھی موجود تھے۔ منظر ناقابل برداشت تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں جگہ دے اور تمام متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے آمین۔ جنازہ میں جامعہ کے بہت سے اساتذہ و طلبہ شریک ہونا چاہتے تھے مگر وہ دن سالانہ امتحان کا پہلا دن تھا۔ اس لئے صرف چند اساتذہ کرام اور سکریٹری انجمن طلبہ قدیم نے شرکت کی۔

شعبہ طالبات

جامعۃ الفلاح سے فارغ ہونے والی طالبات سال میں ایک مرتبہ جمع ہوتی ہیں اور مختلف پروگرام چلاتی ہیں چنانچہ ۱۷، ۱۸ دسمبر ۹۲ء کو کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح میں ان کا دو روزہ اجتماع ہوا جس میں کثیر تعداد میں فارغات کے علاوہ دیگر خواتین بھی مدعو تھیں مختلف پروگرام چلائے گئے جس میں "آ تجھکو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے" اور "لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا" کے موضوع پر مذاکرہ قابل ذکر ہے۔ ۳ فروری ۹۳ء کو بمبئی سے آنے والے معزز مہمان محمد ہارون بھائی کی آمد کی مناسبت سے طالبات نے ایک پروگرام رکھا جس میں انھوں نے قرأت حمد و نعت اور سپاسنامہ کے علاوہ مختلف زبانوں میں تقریریں کیں اور ایک معلمہ نے جامعہ کی خصوصیات اور دیگر مسائل مہمان کے سامنے رکھا۔ مہمان موصوف نے مسائل کے حل کیلئے متعدد تجاویز پیش فرمائے۔

۹ر فروری ۹۲ء کو فارغ ہونے والی طالبات کو جامعہ کی طرف سے الوداعی پارٹی دی گئی اس موقع پر اساتذہ نے ان طالبات کو ان کی ذمہ داریوں کو یاد دلایا اور عالمیت و فضیلت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ کئی معلمات نے بھی ان کو نصیحت کیں۔ طالبات نے الوداعی نظم پڑھی اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

چھپتے چھپتے ۱۵ر فروری ۹۲ء کو اعظم گڑھ کے ایک گاؤں کنورا جہنی ..... کے رہنے والے محترم جناب حاجی اسرار الحق صاحب مدظلہ العالی عمران نگر بھلسا ڈوا دہلی گجرات سے شبلی کالج کے کچھ معزز مہمانوں کے ساتھ جامعہ تشریف لائے۔ وقت بہت تنگ تھا پھر بھی اساتذہ کرام سے مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات کیا۔ موصوف نے طلبہ کی لائبریری کا مشاہدہ کیا اور بہت خوش ہوئے۔ طلبہ کی حوصلہ افزائی کی، اور آئندہ آنے کا وعدہ بھی فرمایا۔ ہمیں معزز مہمان کا انتظار رہے گا۔

دردانگیز خبر ۱۶ر فروری ۹۲ء کی رات میں بذریعہ فون یہ افسوسناک خبر ملی کہ محترم سلامت اللہ پریمی صاحب وہی اب ہم میں نہیں رہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم تحریک اسلامی کے خادم تھے ایک طویل عرصے تک مرکزی درسگاہ اسلامی رامپور میں تربیت کے ذمہ دار رہے آپ محترم مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی و مولانا عنایت اللہ سبحانی استاد جامعہ اور مولانا امانت اللہ صاحب کے بڑے بہنوئی تھے۔ آپ کے تینوں فرزند ارجمند برادران خالد سیف اللہ فلاحی طارق اکرم اللہ فلاحی اور شارق انصار اللہ فلاحی جامعہ کے ہونہار فارغین ہیں، اب یہ تینوں پدرانہ شفقتوں سے محروم ہو چکے۔ انجمن ان کے غم میں برابر کی شریک ہے جامعہ میں مرحوم کے لئے دعائے استغفار کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری یہ دعا ہے کہ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔ ہمارے بھائیوں اور دوسرے متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ انشاء اللہ ہمارے بھائی مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے

"قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" کا دوسرا ایڈیشن

مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی کے حالات زندگی اور خدمات پر مشتمل حیات نو کی خصوصی پیشکش "قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" ضروری تصحیح کے بعد دوبارہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ خواہش مند حضرات جلد رابطہ قائم کریں۔

قیمت: ۱۵ر روپے

"مولانا سید حامد حسین نمبر"

ماہنامہ "حیات نو" کی خصوصی پیشکش "مولانا سید حامد حسین نمبر" کے کچھ شمارے دفتر میں موجود ہیں۔ خواہشمند حضرات اس کی قیمت ۱۲ر روپئے بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

شرح اشتہارات

آخری صفحہ ٹائیٹل	۱۰۰۰
اندرونی صفحہ ٹائیٹل	۶۰۰
آخری صفحہ ٹائیٹل (اندرونی)	۶۰۰
پورا صفحہ اندرونی	۵۰۰
نصف صفحہ "	۲۵۰
چوتھائی صفحہ "	۱۵۰

پتہ: منیجر "حیات نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱